تعدُّد ازدواج

عقل ونقل کی نظر میں

حضرت مولانا مفتی نہال اختر قاسمی

فاضل دارالعلوم دیوبند انڈیا

اِدارۃُ المعارِف کراچی ۱۴

تعدّد ازدواج

عقل ونقل کی نظر میں

حضرت مولانا مفتی محمدؐ نہال اختر قاسمی
فاضل دارالعلوم دیوبند انڈیا

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

جملہ حقوق ملکیت بحق اِدَارَۃُ المَعَارِف کراچی ۱۴ محفوظ ہیں

باہتمام : محمد مشتاق سنی
طبع جدید : رجب ۱۴۳۲ھ - جون ۲۰۱۱ء
مطبع : شمس پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر : اِدَارَۃُ المَعَارِف کراچی ۱۴

ملنے کے پتے:
اِدَارَۃُ المَعَارِف کراچی ۱۴
فون: 021-35032020, 021-35123161
موبائل: 0300 - 2831960
ای میل: imaarif@live.com

❋ مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴ ❋ دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی
❋ ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور
❋ بیت الکتب، گلشن اقبال، کراچی ❋ مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن، کراچی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
انتساب	۷
کلمات بابرکت (حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)......	۹
تقریظ دل پذیر............	۱۰
کامیابی کی پہلی منزل............	۱۲
اظہار مسرت اور دعا............	۱۳
چند کلمات............	۱۵
مصنف کا مختصر تعارف............	۱۷
پیش لفظ............	۱۹
روایت الباب۔ متن، ترجمہ، تخریج............	۲۳
زیر بحث حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات............	۲۴
اعتراض کا پس منظر............	۲۵
استشراق: اسلام کے متوازی ایک معاندانہ تحریک............	۲۵
میدان جنگ میں شکست کے بعد اسلامی تاریخ وتہذیب پر حملہ............	۲۶
تحریک استشراق کی کامیابی کے اسباب ومحرکات............	۲۷
جان آف دمشق............	۲۷
چند ضروری باتیں............	۲۸

عنوان	صفحہ نمبر
قابل توجہ	۳۱
طہارت کے طریقے بتلائے	۳۲
کیا یہ باتیں حیا کے خلاف ہیں	۳۲
وقت واحد میں متعدد ازواج سے مباشرت	۳۴
یہ توجیہ صحیح نہیں ہے	۳۵
کیا متعدد ازواج سے صحبت مضر صحت نہیں؟	۳۷
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد نکاح کیوں فرمایا؟	۳۸
مخالفین کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت اور ضبط نفس کا اعتراف ہے..	۳۸
بعض مستشرقین کا اعتراف حقیقت	۴۰
غلط فہمی کی بنیادی وجہ	۴۱
سیرت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن	۴۳
ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا	۴۳
فضائل ومناقب	۴۴
ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا	۴۵
ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۴۷
ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا	۵۲
ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا	۵۴
ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا	۵۵
ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا	۵۸
ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا	۶۱

موضوعات	صفحہ نمبر

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ۶۲
ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ۶۳
ام المومنین حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ۶۴
متعدد نکاح کی بعض مصلحتوں اور حکمتوں کا ذکر ۶۷
خلاصہ کلام ۷۵
نام نہاد مسلم مفکرین مستشرقین کی راہ پر ۷۶
مخالفین کا استدلال اور اس کی حقیقت ۸۷
تعدد ازواج کی سماجی اور معاشرتی مصلحتیں ۸۴
بنات آدم کی فطری معذوری ۸۸
عورت کا دائم المرض ہونا ۹۰
عورت کا عقیم یعنی بانجھ ہونا ۹۱
زوجین کے درمیان نباہ نہ ہونا ۹۲
مصادر و مراجع ۹۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

(۱) والد ماجد حضرت اقدس مولانا حافظ محمد بدر الحق نور اللہ مرقدہٗ کے نام...... جو ہمیں داغ مفارقت دے کر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے اور ہمیشہ کے لئے محوِ خواب ہو چکے، اللہ ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے، آمین۔ تاہم ان کے اخلاق عالیہ، صفات حمیدہ، تربیت کا انوکھا انداز، شفقت ومحبت، مہمان نوازی کی یادیں اور زندگی کے حسین تذکرے باقی رہ گئے ہیں جو ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ ہیں۔

اپنی اس کتاب کو پیارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے نام منسوب کر کے انتہائی مسرت اور قلبی سکون محسوس کر رہا ہوں، خدائے عزوجل سے دعا کرتا ہوں کہ اے باری تعالیٰ ہماری اس حقیر سے کاوش کو قبول فرما کر والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں صدقہ جاریہ بنا۔ آمین

(۲) پیاری مخدومہ ومکرمہ والدہ ماجدہ مدظلہا کے نام...... جن کی مخلصانہ دعائیں تمنائیں راقم کے لئے زندگی کا بڑا انمول سرمایہ ہیں۔ اللہ پاک ان کے سایہ عاطفت کو صحت و عافیت کے ساتھ تادیر باقی رکھے اور آپ کی دعاؤں کی برکت سے اللہ پاک راقم کو ایسی دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائے جو رضائے الٰہی اور تقرب خداوندی کے ساتھ ساتھ والدین محترمین کی قلبی مسرت وشادمانی، روحانی سکون اور آنکھوں میں بے مثال ٹھنڈک پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائیں۔ آمین ثم آمین!

(۳) اپنے محبوب شیخ پیر طریقت رہبر شریعت حضرت مولانا آصف صاحب برطانوی دامت برکاتہم خلیفہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے نام...... اللہ پاک حضرت شیخ کے سایہ عاطفت کو تادیر باقی رکھے اور آپ کی عنایتوں کا

بہتر سے بہتر بدلہ دارین میں عنایت فرمائے اور آپ کے فیض کو عام وتام فرمائے۔
آمین ثم آمین!

(۴) اپنے تمام اساتذہ کرام کے نام بالخصوص (۱) مخدوم ومکرم، جامع المنقول والمعقول، حضرت الاستاذ مفتی عبد اللہ صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث ورئیس جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات، انڈیا اور (۲) مخدوم ومکرم، فقیہ العصر، استاذ الاساتذہ، حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم امین العام اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی ورئیس المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد، انڈیا کے نام......
تحریر، تقریر، تدریس کے حوالے سے جو کچھ بھی ٹوٹی پھوٹی خدمت ہورہی ہے یہ سب ہمارے اساتذہ کرام کا ہی فیضان اور ان کی محنتوں کا ثمرہ ہے۔ اللہ پاک سے دعا گو ہوں کہ اے اللہ ہمارے تمام اساتذہ کرام کو اپنے شایان شان بدلہ نصیب فرما۔ آمین

(۵) کرم فرما، میرے محسن مخدوم ومکرم خادم العلماء شیخ فضل جمیل صاحب دامت برکاتہم مدیر کلیۃ الاسلامیہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ومخدوم ومکرم محترم جناب حضرت مولانا جمال حسنین صاحب دامت برکاتہم نائب مدیر کلیۃ الاسلامیہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (دبئی) کے نام...... اللہ پاک آنحضرات باصفا کو اور اس گلشن علم وعرفان کو سدا قائم رکھے۔ آمین ثم آمین!

(۶) برادر بزرگوار مخدوم ومکرم مولانا محمد جمال اختر صاحب زید مجدہ، برادر فاضل محترم جناب ڈاکٹر مولانا محمد کمال اختر صاحب زید لطفہ، برادر محترم جناب مسعود قادر بن غلام قادر صاحب حفظہ اللہ اور اپنی تمام بہنوں (زیدت حسناتھن) کے نام...... یہ سب حضرات ہم سے بہت زیادہ عقیدت ومحبت رکھتے ہیں اور ہر موقع پر میرے معاون ومددگار ثابت ہوتے ہیں۔ اے باری تعالیٰ! ان کی محبتوں کو قبول فرما اور ان کے لئے دنیا میں صحت وعافیت مقدر فرما اور آخرت میں ان کی کفالت فرما۔ آمین ثم آمین

محمد نہال اختر غفرلہ

کلمات بابرکت

حضرت الاستاذ مولانا عبدالحق صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ
شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

بندہ نے عزیز مکرم مولوی محمد نہال اختر قاسمی دربھنگوی کی آنے والی کتاب ''تعدد ازدواج عقل ونقل کی نظر میں'' کے مسودہ کا قلت وقت کے باعث جستہ جستہ مطالعہ کیا۔ موصوف نے اسے بڑے اچھوتے انداز میں ترتیب دی ہے۔ کتاب نہایت ہی مفید ہے۔ انہوں نے مستشرقین کے بیجا سوالات کا مسکت جواب دیا ہے۔ یہ کتاب اس موضوع پر مطالعہ کرنے والوں کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہے۔ مواد کی عمدگی کے ساتھ اسلوب قلم بھی اچھا ہے۔

عزیزم جب تک دارالعلوم دیوبند میں رہے، میرے پاس آتے جاتے رہے اور استفادہ کرتے رہے۔ ابھی یہ دبئی کے ایک مدرسہ میں درس وتدریس میں منہمک ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو قبول کرے اور اس کتاب کے افادہ کو عام وتام فرمائے اور عزیزم مولوی نہال اختر قاسمی کو مزید خدمات کی توفیق بخشے۔ آمین

ناکارہ عبدالحق اعظمی
خادم دارالعلوم دیوبند

تقریظ دل پذیر

رہبر شریعت حضرت مولانا عبدالمنان صاحب قاسمی دامت برکاتہم
خلیفہ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم مدرسہ اشرف العلوم راجو پٹی، سیتامڑھی، بہار

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ!

ماہ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ کے اخیر عشرہ میں گونڈی مسجد انوار میں حاضری اور نماز پنجگانہ کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوئی۔ اسی دوران عزیز محترم جناب مولوی مفتی محمد نہال اختر قاسمی صاحب زید لطفہ سے ملاقات ہوئی۔ ان سے پہلے بھی جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ میں بارہا ملاقات ہوتی رہی ہے۔ انہوں نے اس موقع پر اپنی علمی کاوش کا شاہکار ''تعدد ازدواج عقل ونقل کی نظر میں'' پیش فرمایا، دیکھ کر دلی مسرت اور شادمانی ہوئی۔

احقر اپنی ناسازیٔ طبع، مشغولی اور قلت وقت کی وجہ سے اس کا مطالعہ نہیں کر سکا، چند مقامات سے استفادہ کیا اور نظر ڈالی لیکن حضرات اکابر اور علماء عظام کی تقریظات کو بغور دیکھا اور خاص کر حضرت اقدس مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم مجاز حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب عمت فیوضہم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی تحسین وتائید کو اچھی طرح پڑھا اور محظوظ ہوا، جس کی وجہ سے اس کتاب کی عمدہ ترتیب، دل آویز اسلوب، عام فہم زبان، دلچسپ طرز بیان اور خوبی مضامین واضح ہے۔

یہ ناکارہ اپنے موقر علماء کرام اور بزرگوں کی تائید وکلمات علیہ کی روشنی میں دل سے دعا کرتا ہے کہ باری تعالیٰ اس مجموعہ کو شرف قبولیت سے نوازے، نافع بنائے اور زورِ قلم کو بیش ازبیش فرمائے۔آمین ثم آمین

(حضرت مولانا) عبدالمنان قاسمی

۱۳/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ۔۲۳ مارچ ۲۰۰۷ء

کامیابی کی پہلی منزل

والد ماجد حضرت الاستاذ حافظ مولانا محمد بدر الحق صاحب مفتاحی نور اللہ مرقدہ

ایک وقت تھا جب مجھ سے میرے نور نظر ولخت جگر عزیزی مفتی محمد نہال اختر قاسمی سلمہ نے یہ اطلاع دی ''ابو میرا مضمون چھپا ہے'' مجھے فطری طور پر تو خوشی ضرور ہوئی لیکن میں نے اسے جواب یہ دیا ''بیٹے یہ کوئی اہم کامیابی نہیں ہے بلکہ اہم کامیابی تو یہ ہے کہ آپ اتنی محنت کریں کہ روز وشب آپ کے مضامین ومقالات، اخبارات ورسائل میں چھپتے رہیں'' اس ہونہار بیٹے نے الحمدللہ میری باتوں پر توجہ دی اور اتنی محنت کی آج ان کی کتاب ''تعدد ازدواج عقل ونقل کی نظر میں'' کتابت کے مراحل سے گذر کر اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس وقت میں اپنے آپ کو بہت خوش وخرم پاتے ہوئے ان کی اس کاوش کو اپنے سینے سے لگاتا ہوں اور اسے ان کے لئے ''کامیابی کی پہلی منزل'' شمار کرتا ہوں۔ کتاب کا موضوع تعدد ازدواج ہے، اس موضوع پر نہ اسے پہلی کاوش کہی جاسکتی ہے اور نہ ہی آخری، ہاں اتنا ضرور ہے کہ ان کی یہ کوشش بہت ہی اچھی ہے۔ مجھے یقین بلکہ عین الیقین ہے کہ اس طرح اگر یہ مستقل مزاجی کے ساتھ محنت کرتے رہے تو انشاء اللہ مستقبل میں بہترین مصنفین کی فہرست میں شمار کئے جائیں گے۔ میرے دل کی گہرائیوں سے دعا نکل رہی ہے اور نکلتی رہی گی کہ اے پاک پروردگار میرے اس نور نظر کو ہر دینی واسلامی موضوع پر کام کرنے کی توفیق عطا فرما اور ان کے لئے اور ہمارے لئے ذخیرہ آخرت بنا۔ آمین ثم آمین

(حضرت مولانا) محمد بدر الحق مفتاحی (رحمۃ اللہ علیہ)

بلہی، چھتون، دربھنگہ، بہار، انڈیا

۵ مارچ ۲۰۰۷ء

اظہار مسرت اور دعا

پیر طریقت حضرت مولانا محمد آصف صاحب برطانوی دامت برکاتہم
خلیفہ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

پوری دنیا خاص طور پر یورپ اور مغربی ممالک پر اسلامی دعوت وافکار کے جو اثرات مرتب ہورہے ہیں ان کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت بہت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ دور درحقیقت اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور ہے۔ اہل مغرب نے اپنے نظاموں کو بڑی اچھی طرح آزمالیا اور اس کے نتائج بد ان کے سامنے آچکے ہیں، اب ان میں ایک عام شعور پایا جاتا ہے کہ اب کسی خدائی نظام کی طرف بڑھنا چاہئے اور واقعہ یہ ہے کہ دین اسلام کے علاوہ کسی بھی مذہب میں نظام کا تصور ہی نہیں ہے، مسیحیت ایک شخصی مذہب کا تصور دیتا ہے، یہی حال یہودیت اور دیگر ادیان کا ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے مفکرین اور بڑے پڑھے لکھے لوگ مجبور ہوئے کہ اسلام کی طرف بڑھیں اور اس کا مطالعہ کریں۔ چنانچہ ایک عام بیداری کی کیفیت پیدا ہوئی اور یورپ اور امریکہ میں لوگوں نے خاص طور پر اسلامی تعلیمات اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور ایک بڑی تعداد اسلام قبول کرنے لگی اور اس تعداد میں روز بروز اضافہ ہی ہورہا ہے۔ اسلام کے تئیں لوگوں کے ان احساسات وجذبات سے اعداء اسلام کے خیموں میں کھلبلی مچ گئی،

خاص طور پر عیسائی مشینریاں پریشان ہوئیں۔

چونکہ فکری اور علمی طور پر یہ اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لئے انہوں نے ایک بہت بڑی سازشی مہم چلائی اور وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر رکیک اور بیہودہ قسم کے اعتراضات کئے۔ یورپ میں شاید ہی کوئی بک سنٹر ہو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی اور ازدواجی زندگی سے متعلق کوئی کتاب نہ ملے۔ ان کتابوں میں ذات اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر انتہائی غیر ذمہ دارانہ انداز میں حملے کئے گئے ہیں اور ایسی کتابیں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں شائع کر دی گئی ہیں، کہیں مفت بانٹی گئی ہیں اور کہیں بہت سستے داموں میں فروخت کی گئی ہیں۔ ہندوستان میں تو بہت پہلے ہی ''رنگیلا رسول'' شائع ہو چکی ہے۔ دشمنان اسلام یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں شہوت کی کثرت ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

اسی پس منظر میں عزیز گرامی، فاضل نوجوان مولانا مفتی محمد نہال اختر قاسمی سلمہ نے ''تعدد ازدواج عقل ونظر کی نظر میں'' کے نام سے ایک بڑی عمدہ کتاب لکھی ہے، جس میں مستشرقین کے سوالات کا بڑے اچھوتے اور دلنشین انداز میں جواب دیا ہے۔ مواد کی عمدگی کے ساتھ اسلوب قلم بھی اچھا ہے، اس موضوع پر مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ کتاب ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب ہر مسلمان کے گھر میں رہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے بلکہ میری خواہش ہے کہ اس کتاب کو انگریزی میں منتقل کرنے کی کوشش کریں تا کہ انگریزی داں طبقہ بھی فائدہ اٹھائے۔

میری دعا ہے کہ اللہ پاک اس کتاب کے افادہ کو عام اور تام فرمائے، مقبول خاص و عام کرے اور مولف محترم کے لئے موجب برکت، ذریعہ نجات اور امت کے لئے باعث سعادت بنائے۔ آمین

(حضرت مولانا شیخ) **محمد آصف**

باٹلی، برطانیہ

چند کلمات

برادر مکرم فاضل نوجوان جناب ڈاکٹر مولانا محمد کمال اختر صاحب قاسمی

حَامِداً وَّ مُصَلِّیاً، اَمَّا بَعْدُ!

ابھی جس کتاب کا مسودہ میرے سامنے ہے وہ ہے برادر عزیز جناب مولانا مفتی محمد نہال اختر صاحب قاسمی کی تصنیف لطیف ''تعدد از دواج عقل ونقل کی نظر میں'' کتاب کا نام ہی یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ موصوف نے اندرون کتاب کس بحث کو اپنی تحریر کے حوالے کیا ہے۔ چنانچہ کتاب میں مرقوم بحثوں کی مزید وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں، لیکن طرز تحریر اور اسلوب نگارش کے بارے میں اتنا کہے بغیر رہ بھی نہیں سکتا کہ مصنف موصوف نے اس دور جدید کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے قاری کو اپنے سلجھے اور البیلے انداز میں یہ بتانے کی سعی پیہم کی ہے کہ اسلام میں تعدد از دواج کا جواز کیوں ہے؟ مسلمانوں کا زائد از یک شادی کرنے کا مقصد کیا ہے؟ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد شادی کیوں کی؟ کیا (نعوذ باللہ) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم شہوت پرست تھے؟ جیسا کہ اس مہذب اور جدید دور کے نام نہاد محققین بیان کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

الحمدللہ! عزیز مکرم نے اس موضوع کے مشمولات پر عقل ونقل کی روشنی میں مفصل اور مدلل بحث کی ہے اور اس میں پورے طور پر وہ کامیاب بھی ہیں۔

یہ تو چند کلمات تھے کتاب کے تعلق سے، اب چند کلمات مولف محترم کے بارے میں حسب ذیل ہیں:

عزیز مکرم مولانا مفتی محمد نہال اختر قاسمی بن جناب حافظ محمد بدرالحق رحمۃ اللہ علیہ مقام و پوسٹ بلہی، ضلع دربھنگہ (بہار) لکھنے پڑھنے اور تحریر وتقریر کے حوالے سے ہر جگہ ممتاز

رہے،فطری طور پر ایک تحقیقی مزاج انسان ہیں۔موصوف نے ابتدائی تعلیم مدرسہ نور الاسلام چھتون، دربھنگہ سے حاصل کی اور متوسطات کی تعلیم کے لئے گجرات کے مشہور ومعروف علمی ادارہ جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، بھروچ کا سفر کیا، جبکہ ایشیا کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی، پھر تخصص فی الحدیث والافتاء کی تکمیل کی غرض سے المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے لئے رخت سفر باندھا۔عصری علوم کی اہمیت کے پیش نظر آپ نے ''مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی'' سے گریجویشن (Graduation) بھی کیا، فی الحال مولانا موصوف دبئی متحدہ عرب امارات کے مشہور ومعروف ادارہ کلیۃ الاسلامیہ مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور القوز دبئی کی ایک جامع مسجد ''مدینہ مسجد'' میں خطیب ہیں۔ ہزاروں لوگ آپ کی خطابت سے مستفید ہوتے ہیں، دور دراز سے لوگ بیان سننے کے لئے آتے ہیں۔موصوف کا انداز خطابت بہت ہی عمدہ اور انوکھا ہے، بات سوچ کو بولتے ہیں لیکن مستند۔اللہ پاک عزیز محترم کو مزید ترقیات سے نوازے اور قوم وملت کے لئے مشعل راہ بنائے، آمین ثم آمین

آں عزیز ہر جگہ ممتاز اور باصلاحیت طالب علم کی حیثیت سے جانے گئے۔المعہد العالی الاسلامی کے قیام کے زمانے میں آپ نے بہت سے انوکھے اور تحقیق طلب موضوعات جیسے ''حدیثیں جن پر اعتراض کیا جاتا ہے، اخبار واحادیث میں ہندوستان کا ذکر، راحت کاری اور اسلامی نقطہ نظر'' وغیرہ پر قلم اٹھایا۔انشاءاللہ مستقبل قریب میں ہم ان مسودات کو بھی زیور طباعت سے آراستہ ہوتے دیکھیں گے۔

ع: اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

اور

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

(حضرت مولانا) محمد کمال اختر قاسمی

بلہی، دربھنگہ، بہار، انڈیا

مصنف کا مختصر تعارف

نام : محمد نہال اختر

والد کا نام : حافظ محمد بدر الحق (رحمۃ اللہ علیہ)

تاریخ پیدائش : ۱۳/ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ - ۷/ اگست ۱۹۷۹ء

جائے پیدائش : بلہی، دربھنگہ، بہار، انڈیا

تعلیمی قابلیت:

(۱) حافظ: جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات ۱۹۹۰ء

(۲) قاری: جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات ۱۹۹۱ء

(۳) عالمیت: جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات ۱۹۹۹ء

(۴) فضیلت: دار العلوم دیوبند ۲۰۰۰ء

(۵) تخصص فی الحدیث والفقہ: المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد ۲۰۰۲ء

(۶) B.A: مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد ۲۰۰۵ء

(۷) Diploma in Functional Arabic: نیشنل کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۰۵ء

تصنیفات وتالیفات:

(۱) چالیس بکھرے موتی (عربی، اردو، انگلش)

(۲) تعدد ازدواج عقل ونقل کی نظر میں

(۳) حدیثیں، جن پر اعتراض کیا جاتا ہے (غیر مطبوعہ)

مضامین ومقالات:

(۱) راحت کاری اور اسلامی نقطہ نظر
(۲) حج، ایک عاشقانہ سفر
(۳) جرح وتعدیل میں ائمہ احناف کا نقطہ نظر
(۴) حدیث ذباب۔ایک سائنٹفک تحقیق
(۵) بیت المقدس کی تاریخ قرآن وحدیث کی روشنی میں
(٦) واقعہ معراج۔منظر پس منظر
(۷) اخبار واحادیث میں ہندوستان کا ذکر

مشغلہ:

(۱) درس وتدریس: کلیۃ الاسلامیہ مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) القوز، دبئی، عرب امارات
(۲) خطابت: مدینہ مسجد، دبئی، متحدہ عرب امارات
(۳) تصنیف وتالیف
(۴) دعوت وتبلیغ
(۵) مخلوق خدا کی خدمت

پیش لفظ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الْاَکْرَمُ، اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمْ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مَنْ بُعِثَ بِالدَّلِیْلِ، اَلَّذِیْ فِیْہِ شِفَاءٌ لِکُلِّ عَلِیْلٍ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن، اَمَّا بَعْدُ!

آج جبکہ یہ کتاب ’’تعدداز دواج عقل ونقل کی نظر میں‘‘ آپ کے ہاتھوں میں ہے تو تشکر وامتنان کے جذبات سے راقم السطور کا انگ انگ خوشیوں سے معمور ہے۔ اس موقع پر احقر سب سے پہلے اللہ رب العزت کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ اسی پاک ذات نے اس کام کی توفیق عنایت فرمائی اور مجھ حقیر سراپا تقصیر سے اس عظیم الشان کام کی تکمیل کروائی۔ اگر وہ پاک پروردگار توفیق نہیں دیتا تو یہ کام احقر کے لئے کوہ کنی اور جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل اور دشوار ہو جاتا۔ عربی زبان کا ایک شعر یاد آتا ہے:

اِنَّ الْمَقَادِیْرَ اِذَا سَاعَدَتْ　　اَلْحَقَتِ الْعَاجِزَ بِالْقَادِرِ

تقدیر الٰہی جب کسی کی مددگار ہوتی ہے تو وہ عاجز اور درماندہ شخص کو بھی کسی قابل بنادیتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ راقم جب اپنے احوال پر نظر کرتا ہے تو اپنے احوال کو اسی شعر کا مصداق پاتا ہے۔

تحریر، تقریر، تدریس کے حوالے سے جو کچھ بھی ٹوٹی پھوٹی خدمت ہو رہی ہے یہ سب کچھ ہمارے اساتذہ کرام کا ہی فیضان ہے اور ان کی محنتوں اور نیک دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ اللہ عزوجل سے دعا گو ہوں کہ اے باری تعالیٰ ہمارے تمام اساتذہ کرام کو اپنے شایان شان

بدلہ نصیب فرما۔ آمین ثم آمین

اس عظیم کامیابی میں جہاں میرے اساتذہ باصفا کی انتھک کوششوں اور جانفشانیوں کا اثر ہے وہیں میرے علم پرور، پاک خصلت اور نیک طینت، مخدوم ومکرم، والد معظم جناب حافظ محمد بدرالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حوصلہ افزائی نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے، اللہ پاک ان کو غریق رحمت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین!

اس کتاب میں مرکزی طور پر مستشرقین کے ان سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں جوانہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں اور تعدد ازدواج کے بارے میں کیے ہیں۔ مستشرقین کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ لوگ دین اسلام اور پیغمبر اسلام کے حریف اور روایتی دشمن ہیں کیونکہ انہوں نے اپنا مقصد اصیل ہی بنایا ہے کہ مذہب اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنا ہے تاکہ مسلمانوں کا اعتماد اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہٹ جائے، خواہ اس کے لئے انہیں کچھ بھی کرنا پڑے۔

چونکہ پورے دین اسلام اور شریعت مطہرہ کی بنیاد آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر ہے، اس لئے مغربی دنیا نے صلیبی جنگوں (جو اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے پانچ سو سال تک جاری رہی لیکن تمام صلیبی جنگوں میں یورپ کی مشترکہ عسکری قوت کا دیوالیہ نکل گیا) سے لے کر آج تک ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کو نشانہ بنایا ہے۔ مستشرقین نے اپنی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ جس کو اسلام سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی مسترد کردے گا۔ سیرت نبوی کو غلط انداز سے پیش کرنے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی غرض سے مستشرقین نے اتنا زیادہ لکھا ہے اور ہر روز لکھنے کا سلسلہ جاری ہے کہ اگر صرف ان کتابوں کے نام لکھے جائیں تب بھی ایک جلد تیار ہو جائے۔

مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے اور ان کے ایمان وعقیدہ سے کھیلنے کے لئے

انہوں نے مسلم سماج میں سے سلمان رشدی جیسے بد دین اور بدزبان شخص کو بھی کھڑا کیا، شراب خانوں کا نام مکہ (Mukka) تک رکھا گیا تا کہ مسلمان اس صورت حال سے مشتعل ہوں، اس لئے خدا ناترسی، آخرت میں جواب دہی کے عقیدہ سے محرومی، حساب و کتاب سے بے خوفی، حد سے گذری ہوئی لذت پسندی، نفس کی پرستاری، اندرونی خباثت اور مسلمانوں کو رسوا کرنے کی منصوبہ بند سازش کی وجہ سے وہ ہمیشہ انبیاء کرام علیہم السلام کی اہانت کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا ایک مزید مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت کو مسلمانوں کے دلوں سے نکالنا ہے۔ حالانکہ اللہ پاک نے اس امت کے دل میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص طور پر خاتم النبین جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت ڈالدی ہے، اس کے لئے سر کٹا دینا آسان، اپنی رگ جان کا آخری قطرہ خون بہا دینا، اس راہ میں جان ومال کا نذرانہ پیش کرنا نہ صرف آسان ہے بلکہ وہ اسے ایک سعادت سمجھتا ہے، اس سے اس کی زندگی کا سودا کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت خریدی نہیں جاسکتی، وہ اپنی رسوائی اور بے آبروئی کو برداشت کرسکتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ادنی بے توقیری کو گوارہ نہیں کرسکتا، اس کے گھر کو آگ لگائی جاسکتی ہے تاہم اس کے سینے میں جو محبت کی انگیٹھی جل رہی ہے اسے بجھایا نہیں جاسکتا۔ یہی محبت وعظمت اس کی سب سے بڑی پونجی ہے، سب سے بڑی دولت ہے، یہ محبت جو اسے اپنے بزرگوں سے ایک درنایاب کی طرح حاصل ہوا ہے کسی بھی قیمت پر وہ اس سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔

یہ اتھاہ محبت اور انمٹ جذبہ احترام مغرب کی بے حس، مذہب کے معاملہ میں غیر سنجیدہ اور خدا کی محبت سے محروم قوموں کے لئے باعث تعجب ہے کہ آخر اس کے دلوں سے اس کے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی محبت کیونکر نکالی جائے تا کہ دین سے ان کا رشتہ کمزور تر ہو جائے اور مغرب کی خدا بیزاری اور مادیت پرستی میں وہ پوری طرح ان کے ہم دوش اور ہم

قدم بن کر کھڑے ہو جائیں۔ کیونکہ اگر خدانخواستہ کسی شخص کے دل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و بزرگی کا احساس نکل جائے تو پھر اس کے ایمان کا اغوا کر لینا چنداں دشوار نہیں ہوگا۔

میں اپنے تمام دینی بھائی بہنوں کو یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ اس قسم کی دسیسہ کاریوں اور عالمی سازش سے متنبہ رہیں اور آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت وعظمت اپنے بزرگوں سے ملی ہے اور جس پر ہم سب کا مسلمان ہونا موقوف ہے اس امانت میں ذرا بھی، اضمحلال نہ آنے دیں اور اسے اگلی نسلوں تک پہنچائیں اور بس۔

قارئین کرام سے ایک درخواست کروں گا کہ اگر کوئی چیز قابل گرفت ہو تو بلا تکلف آگاہ فرمائیں، یہ آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہوگا۔

اس کتاب کی جمع و ترتیب کے سلسلے میں راقم الحروف ممنون ومشکور ہے ان تمام محدثین عظام اور علماء کرام کا جن کی تصنیفات سے استفادہ کیا ہے، ان تمام اساتذہ کرام کا جن کی محنتوں اور شفقتوں نے راقم کی پراگندہ صلاحیتوں کو جلا بخشی، ان تمام مخلص احباب کا جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں جس طریقہ سے بھی حصہ لیا۔

اے پروردگار! اے بے کسوں کے مولا! تو ان لکیروں کو شرف قبولیت سے نواز دے اور اسے خالص اپنی رضا کا ذریعہ بنالے اور ہم سب کے حق میں دارین میں عافیت کے فیصلے فرمادے۔ آمین ثم آمین

محمد نہال اختر غفرلہ

مقیم: الصفا، القوز، دبئی، متحدہ عرب امارات

۲۹ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ بروز جمعہ

۱۸ جنوری ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُوْرُ عَلٰى نِسَائِهِ فِي السَّاعَةِ الْوَاحِدِ مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، قَالَ قَتَادَةُ: قُلْتُ لِأَنَسٍ أَوَ كَانَ يُطِيْقُهُ؟ قَالَ: كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ أُعْطِيَ قُوَّةَ ثَلَاثِيْنَ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات اور دن میں اپنی بیویوں کے پاس ایک ہی وقت میں آتے تھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے کہا کیا آپ کے اندر اتنی طاقت تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے درمیان اس امر کا چرچا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس مردوں کی قوت عطا کی گئی تھی۔

تخریج:

(۱) رَوَاهُ "الْبُخَارِيُّ": كِتَابُ الْغُسْلِ، بَابٌ إِذَا جَامَعَ ثُمَّ عَادَ وَمَنْ دَارَ عَلٰى نِسَائِهِ فِي غُسْلٍ وَّاحِدٍ، (رقم الحديث: ۲۶۷)

(۲) وَ "أَبُوْ دَاوُدَ" بِلَفْظِ "طَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلٰى نِسَائِهِ فِيْ غُسْلٍ وَّاحِدٍ" (رقم الحديث: ۲۱۸)

(۳) وَ "النَّسَائِيُّ": كِتَابُ الطَّهَارَةِ، بَابُ إِتْيَانِ النِّسَاءِ قَبْلَ إِحْدَاثِ الْغُسْلِ (رقم الحديث: ۲۶۴)

(۴) وَ "ابْنُ مَاجَةَ" : كِتَابُ الطَّهَارَةِ بَابٌ فِيْ مَنْ يَّغْتَسِلُ عِنْدَ كُلِّ وَاحِدَةٍ غُسْلاً وَّاحِداً (رقم الحدیث: ۵۹)

(۵) وَ "الدَّارِمِيُّ": بَابُ الَّذِيْ يَطُوْفُ عَلَى نِسَائِهٖ فِيْ غُسْلٍ وَّاحِدٍ (رقم الحدیث: ۷۵۹)

(۶) وَ "أَحْمَدُ": ۶/۱۴۱، (رقم الحدیث ۲۳۸۶۸)

زیر بحث حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات:

مذکورہ روایت کو مستشرقین نے متعدد وجوہ سے تنقید کا نشانہ بنایا ہے جو بالترتیب درج ذیل ہیں:

(۱) کیا یہ حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت واحد میں اپنی تمام بیویوں سے ہمبستری فرمائی؟

(۲) دوسرا اعتراض از روئے روایت یہ ہے کہ مقاربت کا علم حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کیسے ہوا؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی بتلا دیا تھا؟ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کسی نے اس مخفی راز کا افشاء کیا؟ یا حضرت انس رضی اللہ عنہ خود خلوت کے معاملات کو معلوم کرنے کی کھوج میں لگے رہتے تھے؟

(۳) تیسرا سوال یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مقاربت وہمبستری کرنے کے لئے اس قدر عجلت کی کیا ضرورت تھی جب کہ آپ نے باریاں مقرر کر رکھی تھیں۔

(۴) کیا ایک ہی وقت میں ان ساری عورتوں سے مباشرت کرنے سے صحت پر اس کا اثر نہیں پڑتا تھا؟ کیا نقاہت کا احساس نہیں ہوتا تھا؟

(۵) اس سلسلے میں جو ایک اہم اعتراض کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا ازدواجی زندگی کی تسکین کے لئے ایک عورت کافی نہیں؟ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں گیارہ شادیاں کیں جیسا کہ بوقت وصال بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں۔ ایسے انسان کو رہبر اعظم، قائد اعظم، محسن انسانیت، زہد وقناعت، ضبط نفس، روحانیت اور

روحانی قدروں کا حامل کیسے گردانا جا سکتا ہے؟

(۶) مزید ایک اعتراج یہ بھی کیا جاتا ہے کہ کیا ایک سے زائد شادی کرنا فطرت کے خلاف نہیں؟ کیا تعدد ازدواج عورت پر ظلم نہیں؟

اعتراض کا پس منظر:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیون اور تعدد ازدواج کے بارے میں ذات رسالت پر اعتراض مستشرقین کا محبوب ترین موضوع ہے جس کے ذریعہ (نعوذ باللہ) انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر حاسدانہ اور معاندانہ الزامات عائد کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ ان میں انہیں کوئی خیر یا پاکیزگی، عفت اور حکمت کیا نظر آتی؟ بلکہ انہوں نے تعدد ازدواج کو لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تصویر کشی ہے کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) ایک عام انسان کے اخلاقی معیار سے بھی کوئی نسبت نہیں رکھتے تھے اور انہیں اس قسم کے اعتراضات کیوں نہ ہوں جبکہ یہ لوگ دین اسلام کے روایتی دشمن ہیں، انہوں نے اپنا مقصد اصیل ہی بنایا ہے کہ مذہب اسلام اور پیغمبر اسلام (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو بدنام کرنا ہے خواہ اس کے لئے انہیں کچھ بھی کرنا پڑے۔

استشراق: اسلام کے متوازی ایک معادانہ تحریک:

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا سوالات کے جوابات سے پہلے معترضین کی ذہنیت اور ان بنیادوں کو سمجھ لیا جائے جن کے پس منظر میں انہوں نے پیغمبر اسلام کی پاکیزہ سیرت کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔

مستشرقین کی تحریک کو اگر اسلام کے خلاف تسلیم کیا جائے (جیسا کہ نفس الامر میں ہے بھی) تو یہ حقیقت ہے کہ اس قسم کی دسیسہ کاریوں کا آغاز تو اسی وقت سے ہو چکا تھا جب کہ کوہ صفا سے نعرہ توحید بلند ہوا تھا، باطل پرستوں نے حق کے متوالوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے کیا کچھ نہ کیا، انہیں طرح طرح کی آزمائش سے گذرنا پڑا، قدم قدم پر ان کے خلاف سازشیں تھیں، بے شمار تحریکیں تھیں، مشرکین مکہ کی لڑائیاں، منافقین کی ریشہ دوانیاں،

یہود ونصاریٰ کی خفیہ سرگرمیاں، لیکن ان تمام فتنوں کا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ایسے ہی عہد صحابہ کے بعد اہل مغرب کی طرف سے اسلام کے خلاف عموماً اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خصوصاً بغض وعداوت کا اظہار موقع بموقع تاریخ کے مختلف ادوار میں ہوتا رہا اور معاندانہ وفور جذبات سے سرشار رومی، بازنطینی، لاطینی، مسیحی اور یہودی روایتیں صدیوں سینہ بسینہ منتقل ہوتی رہیں، افواہوں کے دوش پر سفر کرتی رہیں اور کبھی کبھار تحریر وتصنیف اور وقائع واشعار کے قالب میں ڈھلتی رہیں جو ان کی اپنی آئندہ نسلوں کا سرمایہ قرار پائیں۔

میدان جنگ میں شکست کے بعد اسلامی تاریخ وتہذیب پر حملہ:

لیکن اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو نفرت پھیلائی گئی اس کا باضابطہ آغاز اور نقطہ عروج کارزار صلیب تھا، یہ وہی صلیبی جنگیں ہیں جو اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے پانچ سو سال تک جاری رہیں اور پانچ صدیوں میں وقفہ وقفہ سے یورپ کی مشترکہ عسکری قوت مسلم قوم کی زندگی کے لئے موت اور آبادی کو ویران کرنے کے لئے دیو کی طرح منڈلاتی رہی، مثلاً پہلی خون آشام جنگ ۱۰۹۹ء میں ہوئی، دوسری صلیبی جنگ ۱۱۴۷ء میں لڑی گئی اور تیسری معروف صلیبی جنگ سلطان صلاح الدین ایوبی اور شہنشاہ انگلستان رچرڈ کے درمیان ۱۱۸۹ء سے ۱۱۹۳ء تک جاری رہیں۔ (''اسلام اور مستشرقین'' از ڈاکٹر سید صباح الدین ۳/۱۹)

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی صلیبی جنگیں برپا ہوئیں لیکن تمام صلیبی جنگوں میں یورپ کی مشترکہ عسکری قوت کا دیوالیہ نکل گیا، اسی شکست فاش کی بنا پر دین اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت کی نئی لہر دوڑ گئی، بلکہ یہی شکست اس بات کا زبردست محرک بن گئی کہ جنگی محاذ پر پسپا ہونے کے بعد ذہنی وفکری محاذ پر اسلام اور دنیائے اسلام کو زک پہنچائی جائے۔ اس کی تدبیر اس سے بہتر اور کوئی نہ تھی کہ اسلام، اسلامی عقائد، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی معاشرہ کو ہدف تنقید بنایا جائے۔

تحریک استشراق کی کامیابی کے اسباب ومحرکات:

چنانچہ اس کام کے لئے جذباتی طوفان پہلے سے موجود تھا، پھر لاطینی آبادکار اور مسلم علاقوں سے آئے ہوئے شکست خوردہ عیسائی اور یہودی اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو کچھ علم ومعلومات رکھتے تھے جنہیں حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا محض عناد اور نفرت کی بنیاد پر نبی آخر الزماں، رہبر انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم کے سامنے ایسی تصویر پیش کی جسے معمولی شعور رکھنے والا آدمی بھی پڑھ کر بآسانی بدظنی کا شکار ہوسکتا تھا جس کو اسلامیات سے کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ عناد آدمی کو ایسا اندھا اور مجنون بنادیتا ہے کہ حق کو حق جانتے ہوئے حق تسلیم کرلینا ممکن نہیں رہتا۔ مختصر یہ کہ اس پورے عرصہ میں بحثیت مجموعی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مغرب کے پاس جو معلومات تھیں وہ انتہائی مبہم، غیر مستند اور ناقص تھیں، اس میں بیشتر وہ تھیں جن کی اپنی اصلی حقیقت نہ تھی بلکہ وہ مغربی ذہن کی ایجاد واختراع اور کذب وافتراء سے عبارت تھی۔ اسی پس منظر میں بے شمار اعتراضات ہیں بلکہ بیسیوں افتراء پردازیاں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کی گئیں، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بدزبانی کا نشانہ بنایا گیا، کاذب، مخالف مسیح، موجد مذہب نو اور نہ جانے کیا کیا کہا گیا۔ ان ہی ہفوات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محمد (Mohammad) کے بجائے (Mohamd) سے تعبیر کیا گیا جس کے معنی شہزادہ ظلمات ہے۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ التُّھْمَاتِ)

جان آف دمشق:

اس قسم کی تصویر کشی میں بہت سے لوگوں نے حصہ لیا مگر جو سرفہرست ہے وہ ہے جان آف دمشق، اس کو بازنطینی روایات کا بانی تصور کیا جاتا ہے، اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف نفرت اور دشمنی کی آگ سب سے پہلے اس نے ہی بھڑکائی تھی۔ (علیہ ماعلیہ) یہ جان آف دمشق ہی وہ شخص ہے جس نے اور اس کے متبعین نے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

بے دین اور جھوٹا نبی قرار دیا۔ اس کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ اسلام میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا کی جاتی تھی۔ نیز یہی جان وہ بدبخت، گستاخ رسول ہے جس نے سب سے پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جنسی وشہوانی الزامات کی بھرمار کردی۔ (اسلام اور مستشرقین ۳/۶۹) اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کی حیثیت دینے کے بجائے بنیادی طور پر ملحد، بدعتی اور گمراہ قرار دیا۔ (نعوذ باللہ) اس قسم کے لغو اور بے ہودہ اعتراضات سینکڑوں ہیں جو بعد میں انشاء اللہ جوابات کے ساتھ نقل کئے جائیں گے۔

غرضیکہ مذکورہ بالا اعتراضات جو حدیث کے پس منظر میں واقع ہوئے وہ سب اسی عناد و دشمنی اور مستشرقین کی ہرزہ سرائی کا نتیجہ ہیں۔ اب انہیں سوالات کے تفصیلی جوابات دیئے جارہے ہیں۔

چند ضروری باتیں:

ابتدائی اعتراضات کے جوابات سے پہلے چند باتیں اپنے دامن دل سے باندھ لیں، جیسا کہ اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ انسانی تاریخ کا نہایت تاریک ترین دور تھا، خود اللہ پاک نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔

مفسرین کرام نے اس آیت کے تحت جو تفسیر وضاحت بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان جس کو اللہ رب العزت نے اشرف المخلوقات بنایا تھا ضلالت و جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا، انسان نما درندے اپنی معصوم بچیوں کو زندہ درگور کردیتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر سالہا سال جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے تھے جیسا کہ علامہ حالی نے اسی حالت کی عکاسی کی ہے اور خوب کی ہے:

قبیلہ قبیلہ کی باتوں پہ جھگڑا کہیں پانی پینے پلانے پر جھگڑا
کہیں آنے جانے کی باتوں پہ جھگڑا کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا

بت پرستی کا بھی یہی حال تھا، کعبۃ اللہ میں تین سو ساٹھ بت تو تھے ہی، اس کے علاوہ

ہر ہر گھر کا الگ الگ خصوصی بت تھا۔ شاعر نے کیا خوب منظر کشی کی ہے:

قبیلہ قبیلہ کا بت اک جدا تھا کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عزیٰ پہ وہ نائلہ پہ فدا تھا اس طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا

غرضیکہ اہل عرب بہیمیت وحیوانیت کی تمام سرحدیں پار کر چکے تھے، دین ابراہیم اپنی حقیقت کھو چکا تھا، یہودیت ومسیحیت میں تحریف ہو چکی تھی، گلشن انسانیت پہ خزاں طاری تھی، سچ تو ہے کہ دنیا ہلاکت کے دہانے پر کھڑی تھی، ''کُنتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ'' کا منظر تھا، مگر چونکہ اللہ پاک کو دنیا بچانا مقصود تھا، نسل انسانی کو وقار بخشنا تھا اس لئے وہ نبی منتظر مبعوث ہوتا ہے جس کی بعثت کی دعا خلیل اللہ علیہ السلام نے کی تھی، جس کی آمد کی بشارت روح اللہ نے دی تھی، ایسے تاریک ترین دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو ایک کھلی کتاب اور قابل عمل نمونہ تھا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ صرف یہ کام نہیں تھا کہ ان کے خیالات درست کریں، ان کے عقائد کی تطہیر کریں، بلکہ یہ خدمت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد تھی کہ ان کو معاشرت، تہذیب وتمدن اور عمدہ آداب (Maners) کی تعلیم دیں، اور یہ عظیم کام محض وعظ وتلقین اور قیل وقال سے پورا نہیں ہوسکتا تھا۔ ۲۳ سال کے مختصر عرصہ میں ایک ایسی قوم کو جو ذلت وپستی کی زندگی گذار رہی تھی اور تہذیب وتمدن سے عاری تھی تاریکی سے روشنی کی طرف، پستی سے بلندی کی طرف پہنچانا ممکن نہ تھا کہ محض چند لگے بندھے اوقات میں ان کو بلا کر کچھ زبانی ہدایات دیدی جاتیں، بلکہ اس کے لئے ضروری تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زندگی میں ان کے سامنے انسانیت کا مکمل نظام پیش کرتے اور ان کو پورا موقع دیتے کہ اس نمونہ کو دیکھیں اور اپنی اپنی زندگی اس کے مطابق بنائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی ایثار تھا کہ آپ نے اپنی زندگی کے ہر گوشے کو عام کر دیا اور یہ بہت ضروری تھا کیونکہ کوئی بھی زندگی خواہ کسی قدر تاریخی اہمیت کی حامل

ہو جب تک کامل نہ ہو ہمارے لئے نمونہ اور آئیڈیل نہیں بن سکتی۔ اور یہ بات محقق ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک کامل و مکمل نہیں قرار دیا جاسکتا جب تک اس کی زندگی کا ہر لمحہ ہماری نگاہوں کے سامنے نہ ہو اور یہ کاملیت کی صفت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھی، بقول علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ:

> ''پیغمبر اسلام کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لے کر وفات تک ان کے زمانہ کے لوگوں کے سامنے اور ان کی وفات کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے، ان کی زندگی کا مختصر سے مختصر زمانہ بھی ایسا نہیں گذرا جب وہ اپنے اہل وطن کی آنکھوں سے اوجھل ہوکر آئندہ کی تیاری میں مصروف ہوں۔'' (سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۱۰۲/۱)

پیدائش، شیر خوارگی، بچپن، ہوش، تمیز، جوانی، تجارت، آمد و رفت، شادی، احباب، قبل نبوت قریش کی لڑائی، قریش کے معاہدہ میں شرکت، امین بننا، خانہ کعبہ میں پتھر نصب کرنا، رفتہ رفتہ تنہائی پسندی، غار حرا کی گوشہ نشینی، وحی، اسلام کا ظہور، دعوت، تبلیغ، مخالفت، سفر طائف، معراج، ہجرت، غزوات، حدیبیہ کی صلح، دعوت اسلام کے نامہ و پیام، اسلام کی اشاعت، تکمیل دین، حجۃ الوداع، وفات، ان میں سے کون سا زمانہ ہے جو دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی حالت ہے جس سے اہل تاریخ ناواقف ہیں، نجی زندگی بھی امت سے پوشیدہ نہیں۔

اسی طریقے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نجی حالات اور عبادات کا پہلو بھی نمایاں ہے، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، شادی بیاہ، بال بچے، دوست احباب، نماز روزہ، دن رات کی عبادت، صلح و جنگ، آمد و رفت، سفر و حضر، نہانا دھونا، کھانا پینا، ہنسنا رونا، پہننا اوڑھنا، چلنا پھرنا، ہنسی و مذاق، بولنا چالنا، خلوت و جلوت، طور طریق، رنگ و بو، خد و خال، قد و قامت، یہاں تک کہ میاں بیوی کے خانگی تعلقات اور ہم خوابی و طہارت ہر ایک واقعہ کو آپ نے کھول کھول کر امت کے سامنے پیش کیا۔ حالانکہ دنیا کا بڑے سے بڑا انسان جو ایک ہی بیوی کا شوہر ہو وہ بھی یہ ہمت نہیں کرسکتا کہ وہ اس کو یہ اذن عام دیدے کہ تم میری ہر بات،

ہر حالت اور ہر واقعہ کو برملا کہہ دو اور جو کچھ چھپا ہے وہ سب پر ظاہر کر دو، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیک وقت نو بیویاں تھیں اور ان میں سے ہر ایک کو یہ اذن عام تھا کہ خلوت میں جو کچھ دیکھو وہ جلوت میں سب سے برملا بیان کر دو، جو رات کی تاریکی میں دیکھو وہ دن کی روشنی میں ظاہر کر دو، جو بند کوٹھری میں دیکھو اس کو کھلی چھتوں پر پکار کر کہہ دو۔

قابل توجہ:

اسی تسلسل میں یہ بات بھی نہایت قابل توجہ ہے کہ بیوی سے بڑھ کر انسان کی اندرونی کمزوری کا واقف کار کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا، اسی لئے تو والیٹر نے کہا: ''بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنے گھر میں معمولی ہوتا ہے'' نیز اسی کا قول ہے کہ ''کوئی شخص اپنے گھر کا ہیرو نہیں بن سکتا''، لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ام المومنین حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، وہ نبوت سے پہلے پندرہ برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہ چکی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حال اور ہر کیفیت سے ذاتی طور پر واقفیت رکھتی تھیں، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور ایمان لائیں۔

غرضیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی عام اجازت دے رکھی تھی کہ لوگ آپ کے ہر عمل کو دیکھیں، دیکھنے والوں سے سنیں، جاننے والوں سے پوچھیں، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں اور اپنی زندگی کو اس مثالی زندگی کے نمونہ پر ڈھالنے کی کوشش کریں۔ باوجودیکہ آپ طبعاً انتہا درجہ کے شرمیلے تھے اور حیادار تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم امت کے لئے حیا کے پردے کو اٹھا دیا اور ہر قسم کے معاملات میں اپنی روحانی اولاد کو جن میں بیٹے بیٹیاں سب شامل تھے خود ہدایات دیں، ان کو اجازت دی کہ جو کچھ چاہیں پوچھیں اور ان کو موقع دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز تعلیم کو دیکھ کر معلوم کریں کہ ایک پاکیزہ اور شائستہ زندگی کیسی ہوتی ہے۔

طہارت کے طریقے بتلائے:

اسی تعلیم کا ایک شعبہ طہارت جسم ولباس بھی تھا، اہل عرب تو خیر وحشی تھے لیکن آج جن قوموں کو تہذیب وتمدن کے آسمان پر ہونے کا دعویٰ ہے ان کا حال آپ کیا دیکھ رہے ہیں، کھانے کے بعد منہ کی صفائی سے ناواقف، رفع حاجت کے بعد جسم کی طہارت سے نابلد، کھڑے کھڑے پیشاب کیا اور پتلون کے بٹن لگائے، کموڈ پر سے اٹھے اور ٹب میں اتر گئے۔ پھر تعلقات مرد وزن میں تو ان کی ناشائستگی اور بے حیائی اور ناپاکی اتنی گئی گذری ہے کہ شرفاء کی مجالس میں اس کا ذکر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حال جب ان ترقی یافتہ قوموں کا ہے تو اس قوم کا کیا حال ہوگا جو تمدن کے بالکل ابتدائی درجہ میں تھی؟ آپ جب تشریف لائے تو آپ نے نہ صرف ان کے نفوس کا تزکیہ کیا بلکہ ان میں طہارت کی تمیز بھی پیدا کی، زندگی بسر کرنے کے گندے، گھناؤنے، ناشائستہ اور بیہودہ طریقوں کو موقوف کر کے اپنے اقوال اور عمل سے ان کے مردوں اور ان کی عورتوں میں صفائی، نفاست و نظافت کے باقاعدہ آداب کا خوگر بنایا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی پرائیویٹ زندگی کو ان کے سامنے ظاہر کرتے تاکہ جو کچھ پوچھیں یا نہ پوچھ سکیں یا جو باتیں آپ کو زبان سے بتانے کا موقع نہ ملے وہ لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز زندگی دیکھ کر معلوم ہو جائیں، اس طرح گویا آپ ہمہ تن تعلیم بن گئے تھے، نہ صرف زبان سے لوگوں کو تعلیم دیتے تھے بلکہ آپ کی ساری زندگی ہر حال میں اپنے گرد وپیش کی آبادی کے لئے تعلیم بنی ہوئی تھی۔

کیا یہ باتیں حیا کے خلاف ہیں؟

لوگ کتب حدیث میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور دوسرے صحابہ و صحابیات کی زبان سے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس قسم کے مسائل پڑھتے ہیں جن میں جنابت، مباشرت، حیض ونفاس کی تفصیلات مذکور ہیں تو فوراً اعتراض کر بیٹھتے

ہیں کہ یہ باتیں حیا کے خلاف ہیں، لیکن یہ لوگ ذرہ برابر بھی ان روایات میں تدبر وتفکر کریں تو یہ حقیقت آئینہ کی طرح واضح ہو جائے گی کہ درحقیقت یہ ایک بڑا ایثار تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اپنی امت کی خاطر گوارہ فرمایا۔ جس ذات اقدس کی حیا کا یہ عالم تھا کہ اس کی شریک زندگی تک کو بھی اسے برہنہ دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا حتی کہ جس نے کبھی تنہائی میں بھی برہنہ ہونے کو پسند نہیں کیا اس نے محض اپنی امت کو صفائی اور شائستگی کی تعلیم دینے کے لئے اپنی بیویوں کو اجازت دیدی کہ اس کی پرائیویٹ زندگی کے مخفی سے مخفی واقعات کو بھی عام کریں، اور اپنے خدام خاص کو موقع دیا کہ جہاں تک اندرونی حالات سے واقف ہو سکتے ہوں واقف ہوں اور لوگوں تک ان حالات کو پہنچائیں، کیا یہ معمولی ایثار تھا؟ اور یہ اسی ایثار کا نتیجہ ہے کہ نہ صرف اہل عرب بلکہ دنیا کے کروڑہا مسلمانوں کی پرائیویٹ زندگی صفائی جسم، طہارتِ لباس، پاکیزگیٔ اطوار اور صنفی معاملات میں شائستگی و نظافت کی ایک عام ضابطہ کی پابندی ہوگئی، ان معاملات کو اگر شخصی ذوق پر چھوڑ دیا جاتا تو ہمارے اکثر افراد کا حال اپنی زندگی کے مخفی شعبوں میں جانوروں سے ملتا جلتا ہوتا کیونکہ ان شعبوں کے متعلق انسان کی تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام آج بھی دنیا میں کہیں نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہوگا کہ مذکورہ روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو کیا تعلیم دی؟ جواب یہ ہے کہ اس سلسلے میں تین روایتیں ہیں، ایک روایت جو اوپر گذری، دوسری روایت ابوداؤد شریف میں ہے:

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ یَوْمٍ عَلٰی نِسَائِہٖ یَغْتَسِلُ عِنْدَ ھٰذَا وَعِنْدَ ھٰذَا، قَالَ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اَلَا تَجْعَلُہٗ غُسْلاً وَّاحِدًا؟ قَالَ ھٰذَا اَزْکیٰ وَاَطْیَبُ وَاَطْھَرُ۔ (رواہ "ابوداؤد"

کتاب الغسل، باب فی الجنب یعود، رقم الحدیث ۲۱۹)

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عورتوں کے پاس چکر لگایا یعنی مباشرت فرمائی تو ہر ایک کے پاس الگ الگ غسل کیا، راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا

کہ کیا ایک غسل کافی نہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اس میں زیادہ پاکیزگی ہے۔ جبکہ تیسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص اپنی بیوی کے پاس جائے اور پھر دوبارہ مقاربت کرنا چاہے تو دونوں مقاربتوں کے درمیان وضو کرلے۔ ان تینوں روایتوں سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ زیادہ پاکیزہ طریقہ یہ ہے کہ ہر بار جداگانہ غسل کرے، اگر یہ نہ ہوسکے تو کم ازکم وضو کرلے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ واجب نہیں، دو یا دو سے زائد مقاربتوں کے بعد صرف ایک مرتبہ غسل کرلینے سے بھی شرط طہارت پوری ہوجائے گی جیسا کہ روایت الباب اس بات کی طرف اشارہ کررہی ہے۔

یہ تو ان سوالات کے جوابات ہیں جو معترض نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرائیویٹ زندگی کے اسرار سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی واقفیت پر ظاہر کیے ہیں۔

وقت واحد میں متعدد ازواج سے مباشرت:

جہاں تک بات رہی اس سوال کی کہ وقت واحد میں اتنی ساری عورتوں سے مباشرت کرنا شہوت رانی نہیں ہے؟ کیا اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت پر اثر نہیں پڑتا تھا؟ کیا نقاہت کا احساس نہیں ہوتا تھا؟

کتب حدیث میں اس سلسلے میں مختلف الفاظ آئے ہیں "کَانَ یَدُوْرُ"، کہیں "کَانَ یَطُوْفُ" اور کسی روایت میں "طَافَ عَلٰی نِسَائِهٖ" وغیرہ الفاظ وارد ہوئے ہیں، ان سب کے لفظی معنی چکر لگانا اور گھومنا کے ہیں۔ (لسان العرب ۸/۲۲۲)

ان سب سے واضح طور پر یہ مطلب نکلتا ہے کہ کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس ایک ہی رات میں تشریف لے جاتے تھے، راوی اس بات کا عینی شاہد ہے، لہٰذا آپ کا تمام ازواج کے پاس جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بیویوں سے مباشرت بھی کی ہوگی، یہ تو راوی کا خیال ہے کہ جب تشریف لے گئے تو مباشرت بھی فرمائی ہوگی، کیونکہ راوی حضرت انس ہیں جن کی عمر بوقت روایت بیس سال سے کم ہی رہی ہوگی کیونکہ جس وقت حضرت انس دربار رسالت میں خدمت کے لئے

حاضر ہوئے تھے ان کی عمر دس سال تھی اور بوقت وفات بیس سال[1] اور اتنے کم عمر نوجوان لڑکے جب کبھی شوہر کو بیوی کے پاس جاتا دیکھتے ہیں تو ان کا ذہن خواہ مخواہ مباشرت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے حالانکہ میاں بیوی کا تعلق صرف مباشرت کا ہی نہیں ہوتا، چنانچہ عین ممکن ہے کہ سفر سے واپسی کے بعد تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے ہوں ان کی خیریت دریافت کرنے کے لئے اور یہ بھی احتمال ہے کہ تمام ازواج کی باریاں مکمل ہونے کے بعد تمام کے پاس تشریف لے گئے ہوں باری کی شروعات کے لئے۔ اس بات کی تائید حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے انہوں نے اپنی کتاب "فتح الباری" میں زیر بحث حدیث کی توجیہ میں نقل فرمایا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ راقم طراز ہیں:

وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ كَانَ يَحْصُلُ عِنْدَ اسْتِيفَاءِ الْقِسْمَةِ ثُمَّ يَسْتَأْنِفُ الْقِسْمَةَ، وَقِيْلَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اِقْبَالٍ مِّنْ سَفَرٍ۔ (فتح الباری ۱/۴۹۹)

یہ توجیہ صحیح نہیں ہے:

لیکن یہ توجیہ احادیث واقوال محدثین کی روشنی میں صحیح نہیں معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس کی تردید ایک صریح روایت سے ہے، وہ اس طرح کہ روایت میں آیات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی رات میں اپنی تمام ازواج مطہرات سے مباشرت فرمائی اور ہر ایک سے ہمبستری فرمانے کے بعد الگ الگ غسل کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا ایک غسل کافی نہیں ہے؟ تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ کافی ہے لیکن یہ طریقہ زیادہ اچھا اور زیادہ پاکیزگی والا ہے۔ روایت کے الفاظ دیکھئے:

عَنْ اَبِىْ رَافِعٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلٰى نِسَائِهٖ يَغْتَسِلُ عِنْدَ هٰذَا وَعِنْدَ هٰذَا، قَالَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلَا

(۱) "اسد الغابة" ۱/۱۹۳ عَنِ الزُّهْرِىِّ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا ابْنُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَتُوُفِّىَ وَاَنَا ابْنُ عِشْرِيْنَ سَنَةً وَقِيْلَ: خَدِمَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سَنَوَاتٍ.

تَجْعَلُهُ غُسْلاً وَّاحِداً؟ قَالَ هٰذَا اَزْکیٰ وَاَطْیَبُ وَاَطْهَرُ. (رواہ "ابوداؤد" رقم الحدیث ۲۱۹)

اس روایت سے اور اسی طریقہ سے اس مضمون کی دیگر روایتوں سے یہ بات بالکل بے غبار ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی رات میں اپنی تمام ازواج سے مباشرت فرمائی، کیونکہ اگر یہ مطلب نہیں لیتے ہیں تو بخاری شریف بشمول دیگر کتب صحاح کے مولفین کرام نے جو ترجمۃ الباب قائم کیا ہے اس کا مطلب ہی باقی نہیں رہے گا کیونکہ سب کے ترجمۃ الباب کا مطلب قدر مشترک یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک بیوی یا چند بیویاں ہیں اور وہ ایک بار یا چند بار مباشرت کرے تو اس پر متعدد غسل واجب نہیں ہوگا بلکہ ایک ہی غسل کافی ہوگا، البتہ اگر ہر مرتبہ الگ الگ غسل کرے تو یہ زیادہ پاکیزگی کی بات ہوگی، جیسا کہ ترجمۃ الباب اور اس روایت کی تخریج پر نظر ڈالنے سے مذکورہ بات کی بخوبی تائید ہو جاتی ہے۔

حافظ ابن حضر رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول اوپر پیش کیا گیا اور اس کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ حافظ دراصل اس بات کو سمجھا رہے ہیں کہ آخر جب باریاں مقرر تھیں تو پھر سب کے پاس بیک وقت کیوں تشریف لے گئے؟ اس سوال کا جواب آپ نے یہ دیا ہے کہ ایسا موقع یا تو سفر سے واپسی کے بعد پیش آتا تھا یا باریاں مکمل ہونے کے بعد سب کے پاس تشریف لے جاتے تھے یا تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی اجازت سے ہر ایک کے پاس تشریف لے جاتے تھے، جیسا کہ امہات المومنین ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے مرض الوفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں رہنے کی اجازت دیدی تھی۔ (فتح الباری ۱/۹۹)

غرضیکہ یہ بات محقق ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میں اپنی تمام بیویوں سے مباشرت فرمائی ہے۔"

کیا متعدد ازواج سے صحبت مضرِ صحت ہے یا نہیں؟

پھر یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ کیا وقت واحد میں ان ساری ازواج سے مباشرت کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت پر اس کا اثر نہیں پڑتا تھا؟ کیا نقاہت کا احساس نہیں ہوتا تھا؟ کیا یہ فوق العادۃ بات نہیں ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس میں حیرت واستعجاب کی کیا بات ہے، ایک ایسے تندرست اور صحیح القوی انسان کے لئے یہ امر کچھ بھی فوق العادۃ نہیں جس نے تمام عمر تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کی ہو اور اپنے جسم کی قوتوں کو خیالات فاسدہ اور افعال قبیحہ میں ضائع نہیں کیا۔ یہ امر تعجب خیز اگر ہوسکتا ہے تو ان کے لئے جنھوں نے جوانی میں اپنی قوتوں کو ضائع کیا ہو اور بڑھاپا آنے سے پہلے بوڑھے ہوگئے ہوں، جب کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کامل انسان تھے، تمام قوتیں آپ کے اندر غایت درجہ اعتدال پر تھیں، ایک اعلیٰ درجہ کا دماغ رکھنے والے انسان میں رجولیت کی قوت کا بھی اعلیٰ درجہ پر ہونا ایک طبعی حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

پھر اس طاقت کی حفاظت آپ نے ایسی کی کہ ساری جوانی صرف ایک بیوہ بیوی ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بسر کردی اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرہیزگاری میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا، یہی تو وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی اجازت سے ان کو چیلنج کیا "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُراً"(۱) میں تمہارے درمیان ایک عمر گذار چکا ہوں(۲) کسی نے میرے کردار اور کیریکٹر میں کوئی خرابی دیکھی ہو تو بتائے۔ مگر وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے یہ کہنے کی جرأت نہ کرسکے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں موقع پر تم سے یہ گناہ سرزد ہوا۔ پس ایک طرف کمال رجولیت کے ساتھ اس قدر تقویٰ، پرہیزگاری کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمر میں اتنی عورتوں سے شب باشی کی قدرت ہونا کوئی فوق العادۃ نہیں۔ اور دوسری طرف اس

(۱) "القرآن الکریم" ۱۰/۱۶ یونس (۲) "ترجمہ شیخ الہندؒ"

قدرت کے باوجود عہد شباب میں آپ کے کمال تقویٰ کو دیکھ کر ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر ضابط تھے اور اپنے نفس کو قابو میں رکھنے کے لئے اللہ کی جانب سے کتنی زبردست طاقت پائی تھی، اس کا اندازہ زیر بحث حدیث سے کیجئے اور اسی طریقہ سے اس روایت سے کیجئے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''مجھ کو جو جسمانی قوت عطا ہوئی ہے وہ اہل جنت کے چالیس مردوں کے برابر ہے جن میں سے ایک مرد کی قوت سو (۱۰۰) کے برابر ہے۔''(۱)

گویا اس حساب سے دنیا کے چار ہزار مردوں کے برابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قوت عطا فرمائی گئی تھی، اس حساب سے اگر فرض کیجئے کہ اگر چار ہزار بیویاں آپ کے نکاح میں ہوتیں تو آپ کے قوت کے اعتبار سے اس درجہ میں شمار کیا جاتا جیسے ایک مرد ایک عورت سے نکاح کر لے، لیکن اللہ اکبر! اس شدید ریاضت کا کہ صرف گیارہ شادیاں کیں!

آپ نے ایک سے زائد نکاح کیوں فرمایا؟

روایت الباب پر جو ایک اہم اعتراض کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا جنسی تسکین کے لئے ایک عورت کافی نہیں تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ شادیاں کیں، ایسے شخص کو زہد و قناعت، ضبط اور روحانی قدروں کا حامل کیسے گردانا جا سکتا ہے؟

مخالفین کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت اور ضبط نفس کا اعتراف تھا:

حالانکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت و پاک دامنی، ضبط نفس، اور دنیاوی لذائذ و مرغوبات سے کنارہ کشی ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کی شہادت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کٹر سے کٹر دشمنوں نے بھی دی ہے جیسا کہ یہ بات کسی بھی اہل علم سے مخفی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نہایت ہی تاریک ترین معاشرہ میں ہوئی، لیکن اسی بگڑے سماج میں رہنے والوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو دیکھا تو آپ صلی اللہ

(۱) مسند احمد بن حنبل، ''ترجمہ شیخ الھند''

علیہ وسلم کو ’’صادق‘‘ کے لقب سے ملقب کیا، جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت داری کو دیکھا تو ’’امین‘‘ کے خطاب سے نوازا، اور تجربات ومشاہدات کی روشنی میں یہ بات محقق ہے کہ انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں (۱) گفتار (۲) کردار، کسی بھی شخص کا اپنے قبیلہ اور قوم میں صادق کے لقب سے پکارا جانا یہ معنی رکھتا ہے کہ یہ شخص گفتار اور قول کے اعتبار سے قابل اعتماد ہے، ایسے ہی کسی شخص کا امین کے لقب سے مشہور ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ شخص سیرت وکردار کی رو سے مقبول ہے، لہٰذا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرب میں صادق وامین مشہور ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اہل عرب کے مابین آپ کی شخصیت گفتار وکردار کے اعتبار سے قابل اعتماد تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی عفت وپاک دامنی کو مزید وضاحت سے سمجھنے کے لئے اس ماحول میں چلیں جس ماحول میں یہی صادق ومصدوق نبوت کی دولت سے سرفراز ہوتا ہے اور اعلان حق کرتا ہے تو پوری قوم دشمن بن جاتی ہے، ہر دل عزیزی نفرت میں بدل جاتی ہے، سوشل بائیکاٹ (Social boycott) کیا جاتا ہے، قتل کی سازشیں رچی جاتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کا لقب دیا جاتا ہے، شاعر ومجنون کے الفاظ سے نوازا جاتا ہے، نجاستیں ڈالی جاتی ہیں، پتھر پھینکے جاتے ہیں، مگر کسی نے یہ جرأت نہ کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور اعمال کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکال سکے، حالانکہ نبوت اور پیغمبری کے دعویٰ کے یہی معنی ہیں کہ مدعی اپنی بے گناہی اور معصومیت کا دعویٰ کر رہا ہے، اس دعویٰ کے ابطال کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واعمال کے متعلق چند مخالفانہ شہادتیں بھی کافی تھیں، تاہم اس دعویٰ کو توڑنے کے لئے انہوں نے اپنی دولت لٹائی، اپنی اولاد کو قربان کیا، اپنی جانیں دیں لیکن یہ ممکن نہ ہوا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر معمولی خردہ گیری کر کے بھی اسے بالکل باطل کر سکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن اور امت کا فرعون ابوجہل کہتا تھا کہ:

’’محمد! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا، البتہ تم جو کچھ کہتے اور سمجھاتے ہو میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا۔‘‘ (بخاری شریف)

بعض مستشرقین کا اعتراف حقیقت:

اس کے علاوہ بعض مستشرقین (جنہوں نے روایت الباب کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو کتنا مجروح قرار دیا اس کا اندازہ تو آپ کو پچھلی سطروں میں ہوا ہوگا) بھی اقرار کرتے ہیں کہ ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے منزہ، ہر الزام سے مبرا، خَلق وخُلق کی تمام خوبیوں سے مرصع، دنیائے انسانیت کا حاصل تھی اور ان کی کامیابیوں وکامرانیوں اور کارناموں کی بنا پر ان کا کوئی مثل نہیں۔ اس عنوان پر اگرچہ دفتر کے دفتر نقل کیے جاسکتے ہیں، پر یہاں پر صرف ایک نمونہ ذکر کیا جارہا ہے جس میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وامانت کا دل کھول کر اعتراف کیا ہے، جس کا خلاصہ یہاں پر ذکر کرتا ہوں:

Every one liked Mohammad (S), He was pleasing and friendly, He played fair and helped other people, When Mohammad (S) grew up, people loved and trusted him, He always spoke the truth, so people colled him as sadiq, as sadiq means the truthful one.

Mohammad was very honest, fair and just. People felt safe to leave things in his care. So people colled him Al-amin. Al-amin means a person whome you can trust. (1)

---

(1) Mohammad in les carand, Bommes, De-orient Lomartine A.M. Paris 1889 by Islam and Mustashriqin. Page No. 89

غلط فہمی کی بنیادی وجہ:

غرضیکہ بڑے سے بڑا دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وکردار اور عفت و پاک دامنی کے خلاف ایک لفظ نہیں کہہ سکا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف آپ کی پاکبازی وحق گوئی کے سلسلے میں دشمنوں بشمول مستشرقین کا یہ حال ہے اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہوت پرست انسان قرار دیا جارہا ہے، تو اس غلط فہمی کی بنیاد کیا ہے؟

غلط فہمی کی سب سے بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی گیارہ شادیوں کا تذکرہ سنتا ہے تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ وقت واحد میں حرم نبوی میں گیارہ عورتیں تھیں، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ اصل نوجوانی اور پچیس سال سے لے کر پچاس سال تک (جو حقیقتاً صنفی میلان کا زمانہ ہوتا ہے) صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گذرا اور ان کے رہتے ہوئے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شادی نہیں کی۔(۱) البتہ زیادہ شادیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر عمر میں پچپن سال کے گذرنے کے بعد کی، اس لئے مسئلہ صاف ہے کہ آپ نے متعدد شادیاں خواہشات نفسانی کی تکمیل کے لئے نہیں کیں بلکہ دیگر مصالح اور پاکیزہ مقاصد کے پیش نظر کیں، کیونکہ پچیس سے پچاس سال تک کا زمانہ ہی دراصل صنفی میلان کا زمانہ ہوتا ہے اور جنسی خواہشات کا دباؤ انسان کے اعصاب اور قلب و دماغ پر زیادہ شدید ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پچاس سال تک کی زندگی تنہا حضرت خدیجہ کے ساتھ بسر ہوئی جن کی عمر بوقت نکاح چالیس سال تھی، مزید وہ بیوہ، سن رسیدہ اور پانچ بچوں کی ماں تھیں۔ ظاہر ہے ایسی خاتون میں نہ کوئی جنسی کشش ہوسکتی ہے اور نہ کوئی زن پرست اور شہوانیت کا دلدادہ ایسی خاتون سے نکاح کرسکتا ہے۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کے ہی جیسی معمر اور حسن و جمال میں ان سے فروتر ایک بیوی خاتون ''سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا'' آپ کے نکاح میں آئیں، پھر یہ چار سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تنہا

---

(۲) ''طبقات ابن سعد'' ۱/۸۱، ''بخاری شریف'' ۱/۵۳۹، ''مسلم شریف'' ۲/۳۳۳

رہیں، کیا کسی ایسے آدمی پر شہوانیت اور زن پرستی کا الزام رکھنا درست ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے یہ دونوں واقعات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت، پاکیزگی، بے نفسی اور جنسی خواہشات کے معاملہ میں غایت اعتدال، صبر وقناعت، اور ضبط نفس کی روشن دلیل ہے، مگر افسوس کہ مغربی مفکرین کو ان واقعات میں بھی شہوانیت نظر آتی ہے، اگر ان حقائق کے باوجود مستشرقین کا یہی اعتراض ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ:

خاک ہوجاتے ہیں سورج کو بجھانے والے

سیرت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

مناسب معلوم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالی جائے تا کہ یہ بات آئینہ کی طرح واضح ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی شادیاں کی تھیں وہ شہوت رانی کے لئے نہیں بلکہ دینی مصالح کے پیش نظر تھا، چنانچہ ذیل میں نکاح کی ترتیب سے ہم امہات المومنین کے احوال کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: خدیجہ نام، کنیت ام ہند، لقب طاہرہ۔ سلسلہ نسب یہ ہے: خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی، قصی تک پہنچ کر ان کا خاندان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مل جاتا ہے۔

حضرت خدیجہ کی والدہ کا نام فاطمہ زائدہ تھا، عام الفیل سے پندرہ سال قبل حضرت خدیجہ پیدا ہوئیں[۱] سن شعور کو پہنچیں تو اپنے پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے ''طاہرہ'' کے لقب سے جانی جانے لگیں۔[۲]

حضرت خدیجہ کی دولت، ثروت اور شریفانہ اخلاق نے تمام قریش کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا، بڑے سے بڑا سردار بلکہ ہر شخص ان سے نکاح کا خواہاں تھا، لیکن کارکنان قضاء قدر کی نظر انتخاب کسی اور پر پڑ چکی تھی، اور یہ بات پہلے آچکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت

---

(۱) طبقات ابن سعد ۸/۱۰۰۸

(۲) ''الاصابة فی احوال الصحابه'' لابن حجر عسقلانی ۸/۶۰، ''موسوعة حياة الصحابيات'' لمحمد سعيد مبيض ۳۱۶

''امین'' سے تمام مکہ مکرمہ میں تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاملات، راست بازی، صدق ودیانت اور پاکیزہ اخلاق کا عام چرچا تھا، حضرت خدیجہ کو اس کی خبر پہلے ہی مل چکی تھی بلکہ مشاہدہ بھی کرلیا تھا، اس لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال تجارت لے کر شام سے واپس ہوئے تو حضرت خدیجہ نے شادی کا پیغام بھیجا، نفیسہ بنت منیہ اس خدمت پر مقرر ہوئیں(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا اور شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی اور تاریخ معین پر ابوطالب اور دیگر روساءِ قریش بشمول حضرت حمزہ حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے، ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا، پانچ سو درہم مہر طے پایا، بوقت نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال جبکہ حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی، گویا یہ بعثت سے پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے۔(۲)

فضائل ومناقب:

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عظمت وفضیلت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو فضائے عالم سے ایک آواز بھی آپ کی تائید میں نہ اٹھی، کوہ حرا، وادی عرفات، جبل فاران غرض تمام جزیرۃ العرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر ایک پیکر تصویر بنا ہوا تھا، لیکن اس عالم گیر خاموشی میں صرف ایک آواز تھی جو فضائے مکہ میں تموج پیدا کر رہی تھی، یہ آواز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قلب مبارک سے بلند ہوئی تھی جو اس ظلمت کدہ کفر وضلالت میں انوار الٰہی کا تجلی گاہ تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ مقدس خاتون اسلام ہیں جنہوں نے نبوت سے پہلے ہی بت پرستی ترک کردی تھی، جیسا کہ مسند احمد میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ بخدا میں تو کبھی لات وعزی کی پرستش نہ کروں گا،

---

(۱) ''طبقات ابن سعد'' ۱/۸۱. ''موسوعة حياة الصحابيات'' ۳۱۶

(۲) ''البداية والنهاية'' ۵/۲۵۵ عن الواقدی.

انہوں نے جواب دیا کہ لات کو جانے دیجئے، عزیٰ کو جانے دیجئے، یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجئے۔ (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی نے لبیک کہا، (۲) نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور خود دین اسلام کو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ذات مبارکہ سے جو تقویت تھی وہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک صفحہ سے ظاہر و باہر ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے:

وَكَانَتْ لَهُ وَزِيرُ صِدْقٍ عَلَى الْإِسْلَامِ۔

یعنی حضرت خدیجہ اسلام کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی مشیر تھیں۔

اس کے علاوہ بھی بے شمار فضائل و مناقب ہیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ہیں، تفصیلات کیلئے کتب صحاح و دیگر کتب حدیث کی طرف مراجعت کریں۔

(۲) ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا:

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا قبیلہ عامر بن لوی سے تعلق رکھتی تھیں، جو قریش کا ایک نامور قبیلہ تھا۔ ابتدائے اسلام میں مشرف بہ اسلام ہوئیں، ان کے ساتھ ان کے شوہر سکران بن عمرو بھی اسلام لائے، اسی وجہ سے ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حبشہ کی ہجرت کے وقت یہ اور ان کے شوہر مکہ ہی میں مقیم رہے، لیکن جب کفار و مشرکین کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا تو مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر بھی شامل ہو گئے حبشہ سے واپسی کے بعد چند ہی دنوں میں ان کے شوہر ان کو داغ مفارقت دے گئے، اس طرح وہ بیوہ ہو گئیں۔ (جوامع السیر ٦٦)

پچھلی سطروں میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت پریشان و

---

(۱) "طبقات الکبری" ۸/۵۲، "جمهرة انساب العرب" ۱۶۷

(۲) "اسد الغابة فی معرفة الصحابة" ۷/۱۷

غمگین رہتے تھے، یہ حالت دیکھ کر خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مونس چاہئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، گھر بار بال بچوں کا سب انتظام خدیجہ کے سپرد تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء سے وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد کے پاس تشریف لے گئیں اور جاہلیت کے طور پر سلام کیا، پھر نکاح کا پیغام سنایا۔ انہوں نے کہا ''ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک شریف کفو ہیں، لیکن سودہ سے بھی معلوم کرلو'' غرض سب مراحل طے پا گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے، حضرت سودہؓ کے والد نے نکاح پڑھایا۔(۱)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنے پہلے شوہر کی زندگی میں ایک خواب دیکھا تھا، جب وہ خواب اپنے شوہر سے بیان کیا تو وہ بولے کہ شاید میری موت کا زمانہ قریب ہے اور تمہارا نکاح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا، چنانچہ یہ خواب حرف بحرف پورا ہوا۔(۲)

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ایک سن رسیدہ خاتون تھیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ بوقت نکاح ان کی عمر پچپن سال تھی، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال بڑی تھیں۔ ظاہری بات ہے کہ اس نکاح کا مقصد اولاد کی نگہداشت کے ساتھ ساتھ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو پناہ دینا تھا اور ان کے دین وایمان کو فتنے سے بچانا تھا، کیونکہ ان کے گھر والے شرک پر قائم تھے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر (نعوذ باللہ) شہوت ہوتی تو کسی دوشیزہ کنواری سے نکاح کرتے نہ کہ ایسی معمر (Aged) سے، پھر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بعد تنہا چار سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہیں، ان دونوں شادیوں کے پس منظر میں اور دونوں ازواج کی حالت پر نگاہ ڈالتے ہوئے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کوئی بتائے کہ اس میں زن پرستی اور شہوت رانی کا کون سا پہلو نکلتا ہے؟

---

(۱) ''اسد الغابه فی معرفة الصحابه'' ۷/۱۵۷، ''موسوعة حياة الصحابيات'' ۴۷۸

(۲) ''طبقات ابن سعد'' ۸/۳۸، ''زرقانی'' ۳/۲۶۰، ''الاستیعاب'' ۴/۱۸٦۸

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے پانچ روایتیں مروی ہیں، ان میں سے ایک روایت بخاری میں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کی ہے، آپ کی وفات امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

(۳) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

عائشہ نام، صدیقہ اور حمیرا لقب، ام عبد اللہ کنیت، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، والدہ کا نام زینب ہے، ام رومان کنیت ہے اور قبیلہ غنم سے تعلق رکھتی ہیں۔ (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعثت کے چار برس بعد شوال مہینہ میں پیدا ہوئیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہا کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا جہاں خورشید اسلام کی شعائیں سب سے پہلے ضوفگن ہوئیں، اس بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسلام کی ان بابرکت ہستیوں میں ہیں جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی آواز نہیں سنی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ "جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔" (۲)

تمام ازواج مطہرات میں یہ شرف صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہی حاصل ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنواری بیوی تھیں (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہ جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب ہوئی تھیں، لیکن حضرت خولہ بن حکیم رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پا کر پہلے حضرت ابوبکر کے گھر آئیں اور ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا تذکرہ کیا، لیکن چونکہ جاہلیت کا دستور تھا کہ جس طرح بھائی کی

---

(۱) "اسد الغابہ" ۷/۱۸۴، "مسند احمد" ۶/۲۹۴، "الاستیعاب" ۴/۱۸۶۸، "الاصابہ" ۷/۲۱۷، "طبقات الکبری" ۸/۵۷

(۲) رواہ "البخاری" ۱/۲۵۲، "سیر اعلام النبلاء" ۲/۱۱/۱۷۱

(۳) رواہ "البخاری" باب تزویج الصغار ۲/۷۶۰

اولاد سے نکاح جائز نہیں اسی طرح عرب اپنے منہ بولے بھائیوں کی اولاد سے بھی شادی نہیں کرتے تھے، اس بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا ''خولہ! عائشہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیونکر ہوسکتا ہے'' حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا، آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ابوبکر میرے دینی بھائی ہیں اور اس قسم کے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے قبول کرلیا، لیکن چونکہ اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب ہوچکی تھیں اس لئے ان سے پوچھنا ضروری تھا، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہا نے جبیر سے جوکر پوچھا کہ تم نے عائشہ کی نسبت اپنے بیٹے سے کی تھی، اب کیا کہتے ہو؟ جبیر نے اپنی بیوی سے پوچھا، (جبیر کا خاندان ابھی اسلام سے آشنا نہیں ہوا تھا) ان کی بیوی نے جواب دیا کہ اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آگئی تو ہمارا بچہ بددین ہوجائے گا، ہم کو یہ بات منظور نہیں۔ بہر حال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خولہ کے ذریعہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کردیا۔ روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ سو درہم مہر دیا۔ (مسند احمد بن حنبل ۸/۲۱۱)

بوقت نکاح ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال کی تھی اور رخصتی کے وقت نو سال کی تھی، دیکھئے الفاظِ روایت:

رَوَىٰ ابْنُ أَبِيْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: تَزَوَّجَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا اِبْنَةُ سِتٍّ بِمَكَّةَ، وَتَرَكَنِيْ ثَلَاثًا، ثُمَّ دَخَلَ بِيْ وَأَنَا اِبْنَةُ تِسْعٍ بِالْمَدِيْنَةِ (۱)

اس شادی کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں نہایت ہی کم تھی، آپ کی عمر چون (۵۴) سال تھی جیسا کہ بخاری شریف میں

---

(۱) اخرجه ابن السعد فی "الطبقات الکبری" من طریق الواقدی ۸/۶۲، و "ابوداؤد" فی الادب باب فی اللعب بالبنات و "البیهقی" فی الآداب ۹۱۸

روایت موجود ہے، اس لئے یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس عمر میں یہ شادی خواہش نفس کی تسکین کے لئے تھی، تاہم اس شادی کے پس منظر میں مندرجہ متعدد حکمتیں پوشیدہ تھیں جو بالترتیب درج ہیں:

(۱) ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے عرب کے بعض بے ہودہ خیالات میں اصلاح ہوئی، بالفاظ دیگر معاشرہ میں پھیلی ہوئی بعض برائیاں ختم ہوئیں، وہ بری رسم یہ تھی کہ عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے، اسی بنا پر جب حضرت خولہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے حیرت سے کہا: ''کیا یہ جائز ہے؟ عائشہ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے'' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَنْتَ اَخٌ فِی الْاِسْلَامِ'' ''تم تو صرف مذہبی بھائی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی فرما کر اس بری رسم کا قلع قمع کیا۔

(۲) دوسری بری رسم یہ تھی کہ اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے کیونکہ زمانہ قدیم میں اسی مہینہ میں طاعون کی وبا پھیلی تھی، اس بری رسم کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شوال ہی میں کی، ایسے ہی رخصتی بھی شوال ہی میں عمل میں آئی۔ (۱)

نیز اس کے علاوہ اور بھی کئی بے ہودہ اور لغو رسموں کی بندشیں ٹوٹیں، مثلاً عرب میں زمانہ قدیم سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ دلہن کے آگے آگ جلاتے تھے، نیز ایک بری رسم یہ بھی تھی کہ شوہر اپنی عروس سے پہلی ملاقات محمل کے اندر کرتا تھا، امام بخاری اور قسطلانی نے یہ تصریح کی ہے کہ ان رسوم کی پابندی بھی اس تقریب میں ٹوٹی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی میں ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ اگرچہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی فیضان صحبت نے سیکڑوں صحابہ کرام کو سعادت و ہدایت

---

(۱) "مجمع الزوائد" ۹/۲۲۵ و رواه الامام احمد و مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه بلفظ تزوجنی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی شوال و بنی بی فی شوال.

کے بام عروج پر پہنچا دیا تھا لیکن فطرۃً یہ موقع عام عورتوں کو میسر نہیں آ سکتا تھا، صرف ازواج مطہرات اس فیض سے مستفید ہو سکتی تھیں اور پھر یہ نور آہستہ آہستہ انہی ستاروں کے ذریعہ پوری کائنات نسوانی میں پھیل سکتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات بیوہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں داخل ہوئی تھیں، اس بنا پر ان میں حضرت عائشہ ہی تنہا خالص فیضان نبوت سے مستفیض تھیں، لڑکپن کا زمانہ جو عین تعلیم وتربیت کا زمانہ ہے ابھی شروع ہی ہوا تھا کہ سعادت نے ظلمت اور نقص کمال کے ہر گوشہ سے الگ کر کے کاشانہ نبوت میں پہنچا دیا کہ ان کی ذات اقدس پر نور اور کامل بن کر صنف لطیف آبادی کے لئے شمع راہ بن جائے، چنانچہ انسانیت کی تکمیل، کلام الٰہی کی معرفت، احکام نبوی کا علم ان تمام علوم میں آپ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل طور پر بہرہ اندوز ہوئیں۔ علوم دینیہ کے علاوہ تاریخ، ادب اور طب میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا[1] اور یہ کیوں نہ ہوتا جب کہ معلم شریعت خود گھر میں تھے اور شب وروز ان کی صحبت حاصل تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم وفضل اور اشاعت دین میں ان کے حصہ کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ نہ صرف ازواج مطہرات اور نہ صرف عام عورتوں بلکہ مردوں میں بھی چار پانچ صحابہ کے سوا کوئی ان کی برابر کا دعویٰ نہیں کر سکتا، حضرت عائشہ کی روایتوں کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے[2] جن میں صحیحین میں دو سو چھیاسی حدیثیں ان کی روایت سے داخل ہیں، ان میں سے ایک سو چوہتر حدیثیں دونوں میں مشترک ہیں، چون حدیثیں ایسی ہیں کہ جو صرف بخاری میں ہیں اور اٹھاون حدیثیں صرف مسلم میں ہیں، اس حساب سے بخاری شریف میں

---

(۱) "مستدرک حاکم" کتاب الصحابیات باب ذکر عائشہ.

(۲) "مسند احمد بن حنبل" ۶۷/۲، "سیرت سیدہ عائشہ" ۱۸۹

ان کی دوسواٹھائیس اور مسلم شریف میں دوسوبتیس روایتیں ہیں اور بقیہ احادیث دیگر کتب صحاح میں مذکور ہیں۔

غرضیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری طرح کسب فیض کیا اور نوعمری ہی میں کتاب وسنت کا وہ وسیع اور عمیق علم حاصل کرلیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اکابر صحابہ بھی مشکل مسئلہ میں آپ سے رجوع کرتے اور آپ اطمینان بخش جواب دیتیں، جیسا کہ ترمذی شریف کی روایت ہے:

مَا اَشْکَلَ عَلَیْنَا اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ حَدِیْثٌ فَقَطُ فَسَأَلْنَا عَائِشَۃَ اِلَّا وَجَدْنَا عَنْھَا عِلْمًا (ترمذی شریف باب مناقب عائشہ)

احکام شرعیہ کا چوتھائی حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی منقول ہے، خصوصاً وہ احکام جو عورتوں سے متعلق ہیں مثلاً حیض ونفاس کے احکام، طہارت وغسل کے احکام، ولادت ورضاعت اور حضانت، میاں بیوی کے تعلقات سے متعلق جو علم ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایسے ہی دیگر ازواج سے شادی کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ عورتوں سے متعلق شرعی احکام ازواج کے ذریعہ امت تک پہنچیں، چنانچہ ازواج مطہرات نے اپنی اپنی قابلیت وصلاحیت کے مطابق امت کو فائدہ پہنچایا، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب پر فوقیت لے گئیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تقریباً سینتالیس سال تک تبلیغ و اشاعت کے فرائض انجام دیتی رہیں۔

صنف نازل پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے دنیا کو بتادیا کہ ایک مسلمان عورت پردہ میں رہ کر بھی علمی، مذہبی، اجتماعی، سیاسی پند و موعظت، اصلاح وارشاد اور امت کے بھلائی کے کام بجالاسکتی ہے۔ غرض دین اسلام نے عورتوں کو جو رتبہ بخشا ہے ام المومنین کی زندگی اس کی عملی تفسیر ہے، صحابہ میں اگر ایسے لوگ گذرے ہیں جو مسیح اسلام کے خطاب کے مستحق تھے اور عہد محمدی کے ''ہارون'' بننے کے

سزاوار تھے تو الحمد للہ صحابیات میں بھی حضرت عائشہ کی ذات ایسی تھی جو ''مریم اسلام'' کی حیثیت رکھتی تھیں۔(۱) (وفات ۵۷ھ، مدفن جنت البقیع)

(۴) ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا:

حفصہ نام، امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے: حفصہ بنت عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوئی بن فہر بن مالک۔

والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا جو مشہور صحابی رسول حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں۔(۲)

والدین مکرمین اور شوہر کے ساتھ اسلام لائیں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت خنیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی، حضرت خنیس اصحاب بدر میں سے ہیں، غزوہ بدر میں ہی آپ نے زخم کھائے اور واپس آکر ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔(۳)

عدت گذرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹی حفصہ کے نکاح کی فکر ہوئی، چنانچہ اس سلسلے میں وہ سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملے کیونکہ اس موقع سے حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تھا اور ان سے حفصہ

(ا) ''مسیح اسلام'' کا لقب ابوذر غفاری کو ملا، ترجمہ ابوذر غفاری ''الاستیعاب'' ''الاصابہ'' ہارون حضرت علی کے حق میں فرمایا: اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی، ''موسوعة حياة الصحابه''، ''ترمذی شریف'' باب فضل عائشه.

(۱) ''موسوعة حياة الصحابيات'' ۲۸۸، ''اسد الغابه'' ۷/۴۷ والطبرانی فی ''المعجم الكبير'' ۲۳/۱۸۶.

(۲) هٰذَا قَوْلُ ابْنِ سَيِّدِ النَّاسِ فِیْ ''عُيُوْنِ الْاَثَرِ'' ۲/۳۰۲ وَالْبَلَاذُرِیُ فِیْ ''اَنْسَابِ الْاَشْرَافِ'' ۱/۴۳۲ وَابْنِ الْجُوْزِیُ فِیْ ''صَفْوَةِ الصُّفْوَةِ

کے نکاح کی خواہش کی، انہوں نے کہا میں اس پر غور کروں گا، چند دن کے بعد ملاقات ہوئی تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے خاموشی اختیار کی (اس بے التفاتی کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کافی قلق ہوا) کیونکہ اللہ کی مشیت کچھ اور تھی، اللہ پاک چاہتا تھا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی بہترین خاطر داری اور دل بستگی ہو، چنانچہ اللہ پاک نے اس کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش فرمائی، اس طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہ کی نکاح کی خواہش کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گذرا ہوگا لیکن میں نے اس بنا پر کچھ جواب نہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں ان کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے قصد نہ ہوتا تو میں ضرور آمادہ ہو جاتا۔ [1]

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے فضل وکمال کے سلسلے میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن اس کی چنداں ضرورت نہیں، تاہم مختصراً اتنا عرض کرنا ہے کہ ان سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں، جس کی انہوں نے اپنے والد محترم امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ ان سے روایت کرنے والے چند حضرات یہ ہیں: خود ان کے جلیل القدر بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، صفیہ بنت ابوعبید

---

(۱) اَخْرَجَهُ "اَلْبُخَارِيُّ" فِي النِّكَاحِ بَابُ عَرْضِ الْاِنْسَانِ اِبْنَتَهُ اَوْ اُخْتَهُ عَلَى اَهْلِ الْخَيْرِ ۵۱۲۲ وَ "النَّسَائِيُّ" فِي النِّكَاحِ بَابُ عَرْضِ الرَّجُلِ اِبْنَتَهُ عَلَى مَنْ يَرْضَى ۶/۷۷ وَ بَابُ اِنْكَاحِ الرَّجُلِ اِبْنَتَهُ الْكَبِيْرَةَ ۶/۸۳.۷۷، "اسد الغابہ فی معرفة الصحابة" ۷/۶۴، "طبقات ابن سعد" ۸/۵۸.۵۹، "موسوعة حياة الصحابيات" ۲۸۸.

رضی اللہ عنہا، حضرت عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم وغیرہ۔(۱) نیز تفقہ فی الدین کا وافر حصہ ان کو ملا تھا جیسا کہ واقعات اور ان کے سوال کردہ معلومات سے اندازہ ہوتا ہے۔(۲)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے کا اہم مقصد ان کی خاطر داری، دل بستگی اور اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے ان کے شوہر کا نعم البدل پیش کرنا تھا، نیز اپنے جان نثار صحابی اور اسلام کے خلیفہ ثانی کے ساتھ اپنے تعلقات کو رشتہ مصاہرت کے ذریعہ مزید مستحکم کرنا تھا اور ان کی راہ اسلام میں پیش ہونے والی قربانیوں اور وفاداریوں کا کچھ صلہ دینا تھا، اس کے علاوہ اور بھی کئی مصلحتیں تھیں جن میں دعوتی، اصلاحی غرض وابستہ تھی نہ کہ شہوت رانی، کیونکہ کوئی بھی شہوت رانی کا دلدادہ ایسی بیوہ عورت سے نکاح نہیں کرسکتا تھا۔

(۵) ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا:

سلسلہ نسب: زینب بن خزیمہ بن عبد اللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ ہے، والدہ کا نام ہند بنت عوف ہے، حمیر قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں، آپ کا لقب ام المساکین تھا۔(۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے پہلے عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں، لیکن ان کے شوہر غزوہ احد میں شہید ہوگئے(۴) جب ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو ان کو بہترین پناہ کی ضرورت تھی، نیز اس بات کی بھی ضرورت تھی کہ ان کی دلجوئی کی جائے،

---

(۱) "اسد الغابة في معرفة الصحابة" ۷/۷۴.۷۵، "موسوعة حياة الصحابيات" ۲۸۸، "زرقانی" ۳/۲۸۵

(۲) "مسند احمد بن حنبل" ۶/۲۷

(۳) اَخْرَجَهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْمُعْجَمِ الْكَبِيْرِ ۲۴/۵۷ بِلَفْظِ تَزَوَّجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْنَبَ بِنْتَ خُزَيْمَةَ وَ "اُمَّ الْمَسَاكِيْنِ" سُمِّيَتْ بِذٰلِكَ لِكَثْرَةِ اِطْعَامِهَا الْمَسَاكِيْنَ.

(۴) "مجمع الزوائد" ۹/۲۴۸ و "البيهقي" ۳/۱۵۹، "موسوعة حياة الصحابيات" ۴۱۳.

ان کی دل بستگی کا انتظام کیا جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جذبہ کے تحت اوران کی عفت اور عصمت میں چار چاند لگانے کے لئے ان سے شادی فرمائی۔ کوئی منصف مزاج آدمی اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بتادے کہ اس شادی کا مقصد (نعوذ باللہ) شہوت رانی کو فروغ دینا تھا؟ نہیں! بلکہ ان کو پناہ دینا مقصود تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر کے ان کے شوہر کا نعم البدل پیش کیا۔

(۶) ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا:

ہند نام، ام سلمہ کنیت، قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد ابوامیہ مکہ کے مشہور، مخیّر اور فیاض تھے، سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے، اسی لئے ''زادراکب'' کے لقب سے مشہور تھے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان ہی کی آغوش تربیت میں نہایت ناز ونعمت سے پرورش پائی۔

حضرت عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ سے (جو زیادہ تر ابوسلمہ کے نام سے مشہور ہیں) نکاح ہوا تھا، ابتدائے اسلام میں اپنے شوہر کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور اپنے شوہر ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی، حبشہ میں کچھ زیادہ زمانہ تک قیام کر کے مکہ واپس آئیں، پھر یہاں سے شہر نبوی مدینہ منورہ ہجرت کی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی کا امتیاز ہے کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی خاتون اسلام ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ (زَادَهَا اللّٰهُ شَرَفاً وَّ كَرَامَةً) آئیں۔ مدینہ کی ہجرت کا واقعہ بڑا عبرت ناک ہے اور طویل بھی ہے۔
(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو''موسوعة حياة الصحابيات'' ۴۴۷)

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بڑے شہسوار تھے، بدر واُحد میں شریک ہوئے، غزوہ احد میں چند زخم کھائے جن کے صدمے سے جانبر نہ ہوسکے۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعزیت کی اور صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ دعا کرو کہ اللہ پاک ان سے بہترین جانشین عطا فرمائے۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ام سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں، وضع حمل کے بعد عدت گذر گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح کا

پیغام دیا لیکن ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نکاح کرنے سے انکار کردیا، اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر پہنچے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ مجھے چند عذر ہیں، (۱) میں سخت غیور ہوں (۲) صاحب عیال ہوں (۳) میرا سن زیادہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب زحمتوں کو گوارہ فرمایا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اب کیا عذر ہوسکتا تھا، اپنے لڑکے سے (جن کا نام عمر تھا) کہا کہ اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کردو، چنانچہ ۴ ھ میں تقریب انجام پائی اور اس طرح حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی دعا ''اَللّٰهُمَّ اَخْلِفْنِيْ فِيْ اَهْلِ خَيْرٍ'' اے اللہ میرے اہل وعیال کی اچھی طرح نگہداشت فرما قبول ہوئی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے جو شدید صدمہ ہوا تھا اس کو ابدی مسرت میں تبدیل کردیا۔[۱]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نکاح فرمایا اس کی وجہ ان کی دل جوئی مقصود تھی کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کی اولاد تھی، ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے خاندان کے لوگ مکہ میں تھے اور ابھی تک شرک پر قائم تھے، ایسے حالات میں ان بچوں کا مکہ جانا ایمان کو خطرے میں ڈالنا تھا، ان سب وجوہ کی بنیاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی، کوئی انصاف سے کہے کہ اس میں شہوت کا کوئی پہلو ہے؟

علمی اعتبار سے گو تمام ازواج عالی مرتبت تھیں پر حضرت عائشہ اور ام سلمہ کا ان میں کوئی جواب نہ تھا، چنانچہ محمود بن لبید کہتے ہیں:

كَانَ اَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْفَظْنَ مِنْ حَدِيْثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا مِثْلَ لِعَائِشَةَ وَاُمِّ سَلَمَةَ (باب مناقب صحابیات ''طبقات ابن سعد'' ۲/۱٦٦)

---

(۱) ''سیر اعلام النبلاء'' ۲/۲۰۲، ''طبقات ابن سعد'' ۱/۲۰۳، وکما قال النووی فی ''نہایہ'' ۲/۳٦۲ عن ابن الاثیر بلفظ ''اول مہاجرة من النساء ام سلمہ''، ''زرقانی'' ۲/۲۷۳

مروان بن حکم ان سے مسئلہ دریافت کرتا اوراعلان کرتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں۔ (مسند احمد بن حنبل ۶/ ۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اورابن عباس رضی اللہ عنہما دریائے علم ہونے کے باوجود ان کے دریائے فیض سے مستغنی نہ تھے، بلکہ تابعین کا بڑا گروہ ان سے رجوع کرتا تھا۔ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا ان کا کوئی حریف نہ تھا، ان سے تین سو اٹھتر روایتیں مروی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ محدثین صحابہ کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں، اصابہ میں ان کے تذکرہ میں لکھا ہوا ہے کہ:

صَاحِبُ الْعَقْلِ الْبَالِغِ وَالرَّأْيِ الصَّائِبِ

یعنی وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں۔ (طبقات ابن سعد ۲/ ۱۶۶)

علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ "ان کے فتاویٰ اگر جمع کئے جائیں تو ایک رسالہ تیار ہوسکتا ہے۔ ان کے فتاویٰ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً متفق علیہ ہیں اور ان کی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کا کرشمہ ہیں۔ بطور تائید کے ایک مثال دیکھئے:

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ قربانی کریں لیکن پھر بھی کوئی نہ اٹھا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار حکم دیا تھا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کا رخ کیا اور ام سلمہؓ سے شکایت کی، آپؓ نے جواب دیا کہ آپ کسی کو کچھ نہ کہیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے بال منڈوالیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا، پھر کیا تھا سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا، اور ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے تھے اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلہ کو حل کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہوری فطرت شناسی میں اُن کو کس درجہ کمال تھا۔ امام الحرمین فرماتے ہیں کہ صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی مثال پیش نہیں کرسکتی۔ اس کے علاوہ اور بھی فضائل ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ترک کیا جاتا ہے۔

(۷) ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:

زینب نام، ام الحکم کنیت، قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں، والدہ کا نام امیمہ تھا جو عبد المطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں، اس بنا پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبوت کے ابتدائی دور میں مشرف باسلام ہوئیں جیسا کہ اسد الغابہ میں ہے ''کَانَتْ قَدِيْمَةَ الْإِسْلَامِ'' وہ قدیم الاسلام تھیں۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ'' ۵/۴۶۳)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ آپ اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش سے میرا نکاح کر دیں، آپ نے ان کی خواہش کا احترام کیا لیکن حضرت زینب کو گوارہ نہ تھا کہ قریش جو کہ نہایت معزز خاندان ہے اور قریش کے خاندان بنی ہاشم کی تولیت کعبہ کی وجہ سے عرب میں جو مقام ومرتبہ حاصل تھا اس کے لحاظ سے شاہان یمن بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے، ایک طرف حضرت زینب رضی اللہ عنہا اتنے معزز خاندان کی چشم وشراغ اور دوسری طرف حضرت زید رضی اللہ عنہ جن پر ایک آزاد کردہ غلام کا داغ تھا، یہی سب وجہ تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو یہ رشتہ غیر مناسب لگا اور انہیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقد کرنے میں تامل ہوا، اسی موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ۔ (احزاب آیت۳۶)

ترجمہ: جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ صادر فرمادیں تو کسی مومن مرد وعورت کو اپنے کسی معاملہ میں اختیار نہیں رہتا۔ (ترجمہ معارف القرآن از خلاصہ تفسیر)

اس آیت کے نزول کے بعد پھر ان لوگوں کو کوئی تامل باقی نہیں رہا بلکہ باری تعالیٰ کے

فرمان کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور نہایت مسرت وشادمانی کے ساتھ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ۵/۴۶۳)

اس نکاح کے ذریعہ جاہلیت کی ایک بری رسم کا قلع قمع کیا، زمانہ جاہلیت میں آقا اور غلام کے درمیان ایک مضبوط دیوار تھی، دونوں کے درمیان ایک زبردست خلیج حائل تھی، اگر یوں کہا جائے کہ آقا وسید آسمان تھے اور غلام زمین تو یہ تعبیر بالکل صحیح ہوگی اور اس تعلق کی صحیح ترجمانی ہوگی، اس نکاح کے ذریعہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوری کو ختم کر دیا اور فرمایا کہ حسب نسب کوئی چیز نہیں، اصل چیز تقویٰ ہے۔ یہ نکاح اسلامی مساوات کی عملی مثال ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

تعلیم مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک اہم مقصد اور بھی تھا جو اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں مذکور ہے:

تَزَوَّجَهَا لِيُعَلِّمَهَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے اس لئے کر دیا تا کہ ان کو کتاب وسنت کی تعلیم دیں۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ۵/۴۶۳)

غرضیکہ دونوں کی شادی ہوگئی، شادی کے بعد ایک سال تک دونوں کے درمیان تعلقات خوشگوار رہے، لیکن بعد میں یہ تعلقات قائم نہ رہ سکے اور شکر رنجی بڑھتی گئی، اسی بنیاد پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حضرت زینبؓ کی شکایت کی اور طلاق دینا چاہا۔ فتح الباری میں مذکور ہے:

جَاءَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ زَيْنَبَ اَشَدُّ عَلَى لِسَانِهَا وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اُطَلِّقَهَا (فتح الباری ۸/۴۰۳)

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار ان کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں، لیکن یہ کسی طرح صلح پر آمادہ نہ ہوئے اور بالآخر حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دیدی۔ اور یہ بات پہلے آچکی ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور آپ ہی

کی تربیت میں پلی بڑھی تھیں اور آپ ہی کے فرمانے سے انہوں نے اس رشتہ کو منظور کر لیا تھا جو ان کے نزدیک ان کے خلاف شان تھا۔ بہر حال جب وہ مطلقہ ہوگئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دل جوئی کے لئے اور اس سے بڑھ کر زمانہ جاہلیت کی ایک بری رسم ''رسم تبنیت'' کو ختم کرنے کے لئے نکاح کرنا چاہا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پیغام نکاح بھیجا، دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی ''فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا'' (احزاب آیت ۳۷) اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے نکاح ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت زینب کے مکان پر تشریف لائے بلا استیذان اور دن چڑھے ولیمہ ہوگیا۔ بہر حال اس شادی کا مقصد شہوت پرستی نہ تھی بلکہ جاہلیت کی ایک بری رسم ''رسم تبنیت'' کو ختم کرنا تھا، نیز ان کی دل جوئی بھی مقصود تھی۔

اسی شادی کے ولیمہ میں آیت حجاب نازل ہوئی جس کا پس منظر یہ ہوا کہ چند آدمی مدعو تھے، کھا کر باتیں کرنے لگے اور اس قدر دیر لگائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تھے، بار بار اندر جاتے اور باہر آتے تھے، اسی مکان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھی ہوئی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و رفت دیکھ کر بعض حضرات کو خیال ہوا اور وہ اٹھ کر چلے گئے اور بعض وہیں رہے، اسی موقع پر آیت حجاب نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ۔ (احزاب آیت ۵۳)

اس نکاح کی بعض خصوصیات ایسی ہیں جو کہیں نہیں پائی جاتیں، مثلاً:

(۱) جاہلیت کی ایک بری رسم ''رسم تبنیت'' یعنی متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) اصل بیٹے کا حکم رکھتا ہے، مٹ گئی (وہ اس طرح کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے۔)

(۲) مساوات اسلام کا وہ عظیم منظر سامنے آیا کہ آزاد اور غلام کی تمیز اٹھ گئی۔
(۳) اسی شادی میں پردہ کے احکام سے متعلق آیتیں نازل ہوئیں۔
(۴) وحی الٰہی آئی۔
(۵) ولیمہ میں خاطر خواہ تکلف ہوا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بے شمار فضائل ہیں جو کتب حدیث میں مذکور ہیں، چنانچہ یہ بات بہت مشہور ہے کہ وہ نہایت ہی فیاض تھیں، اسی فیاضی کی بنیاد پر "اَسْرَعُکُنَّ لُحُوْقًا بِیْ اَطْوَلُکُنَّ یَدًا" کی مصداق ہوئیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا روایتیں کم بیان کرتی تھیں، چنانچہ کتب حدیث میں ان سے صرف گیارہ روایتیں منقول ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں سرفہرست ام حبیبہ، زینب بنت ابی سلمہ وغیرہ ہیں۔ ان کے اخلاق کے بارے میں زرقانی میں ہے:

كَانَتْ زَيْنَبُ صَالِحَةً صَوَّامَةً قَوَّامَةً

یعنی حضرت زینب نیک خو، روزہ دار اور نماز گذار تھیں۔

اس کے علاوہ اور بھی مناقب ہیں۔

(۸) ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا:

جویریہ نام، والد کا نام حارث بن ضرار، یہ حارث بن ضرار خاندان بنی مصطلق کے سردار تھے۔ حضرت جویریہ کا پہلا نکاح سافع بن صفوان سے ہوا تھا۔ جویریہ کے والد اور شوہر دونوں سخت دشمن اسلام تھے، چنانچہ حارث نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے تحقیق حال کے لئے بریدہ بن حصیب سلمی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا، انہوں نے آکر اس خبر کی تصدیق کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چڑھائی کا حکم دیا، بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اس جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں جویریہ بھی تھیں جو ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں، جویریہ نے ثابت سے یہ درخواست کی کہ مکاتبت کرلو، ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

نے ۹/ اوقیہ پر معاملہ طے کرلیا لیکن ان کے پاس تھا نہیں۔ پھر ابن اسحاق کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بدل کتابت کو ادا کر دیا اور پھر ان کی دل جوئی اور عزت افزائی کے لئے ان سے نکاح فرمالیا، نکاح فرمانے کی وجہ سے سارے قیدی چھوڑ دیئے گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے بہت سے حضرات مشرف باسلام ہوگئے بلکہ ایک روایت کے مطابق خود ان کے والدین بھی مسلمان ہوگئے۔ بہرحال اس شادی کا مقصد جہاں ان کی دل جوئی تھی تو ساتھ ساتھ یہ غرض بھی وابستہ تھی کہ رشتہ مصاہرت کے ذریعہ دشمنان اسلام اسلام کے قریب ہوں، چنانچہ اس نکاح کا خاطر خواہ فائدہ ہوا۔

(۹) ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا:

رملہ نام، ام حبیبہ کنیت، والد کا نام ابوسفیان، والدہ کا نام صفیہ بنت ابوالعاص تھا۔ پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا تھا، اپنے شوہر ہی کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوئیں اور حبشہ کو ہجرت کی، حبشہ جا کر عبیداللہ بن جحش نے عیسائیت کو اپنالیا، پھر کیا تھا آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کی، مئے نوشی کی عادت ہوگئی، حالت بد سے بدتر ہوگئی، بالآخر اس کا انتقال ہوگیا۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نہایت متفکر رہنے لگیں، اور وہ اس لئے کہ ان کے دیگر اہل وعیال ابھی تک شرک پر قائم تھے اور نہ صرف یہ کہ قائم تھے بلکہ اسلام کے سخت ترین دشمن تھے، خود ان کے والد ابوسفیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے، غرضیکہ اہل و عیال کا یہ حال تھا کہ اگر ان کے پاس واپس آتی ہیں تو اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے اور اگر وہیں رہتی ہیں تو ظاہر ہے کہ کسمپرسی کا عالم ہے پریشانی کا عالم ہے، ان سب چیزوں کو دیکھتے ہوئے نیز ام حبیبہ کی دل جوئی کے لئے عدت کے اختتام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ نجاشی کے ذریعہ پیغام بھجوایا، قصہ مختصر ان سے شادی ہوگئی۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کرنے سے جہاں یہ فائدہ ہوا کہ ام حبیبہ کی دل جوئی ہوئی، پریشانی کے دن چھٹے، راحت کے دن آئے اور ایمان کی حفاظت ہوئی، وہیں دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ابوسفیان جو اسلام کے سخت دشمن

تھے شادی کے بعد نہایت نرم پڑ گئے اور یہ شادی دونوں کے درمیان تعلقات استوار کرنے کے لئے اور حالات کوخوش گوار کرنے کے لئے ایک اہم ذریعہ بنی۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ سے تقریباً ۶۵ روایتیں منقول ہیں اور ایک بڑی جماعت نے ان استفادہ کیا، مثلاً ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (دختر معاویہ) عبداللہ بن عتبہ، ابوسفیان ابن سعید ثقفی، صفیہ بنت شیبہ، زینب بنت ابوسلمہ، عروہ بن زبیر، شہر بن حوشب اور ابو صالح السمان وغیرہ۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ''موسوعۃ حیاۃ الصحابیات'' ۳۸۰)

(۱۰) ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا:

ان کا اصل نام زینب تھا، لیکن چونکہ آپ جنگ خیبر میں خاص طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں تھیں اور اہل عرب مال غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام یا بادشاہ کیلئے مخصوص ہوتا تھا ''صفیہ'' کہتے تھے اس لئے آپ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی شادی پہلے سلام بن شکم القرضی سے ہوئی تھی لیکن سلام نے طلاق دیدی تو نکاح ثانی کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا۔ جنگ خیبر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کنانہ، باپ حی بن اخطب اور بھائی سب مارے گئے اور خود حضرت صفیہ بھی گرفتار ہوئیں، ان کے ساتھ اور بھی دوسرے قیدی تھے، جب تمام قیدی جمع ہو گئے تو دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک باندی کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتخاب کرنے کی اجازت دی، چنانچہ انہوں نے صفیہ کو منتخب کیا، لیکن اس کے بعد ہی ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صفیہ اس وقت نہایت ہی پریشانی کے عالم میں ہے، اور کیوں نہ ہو کہ شوہر، باپ اور بھائی سب قتل کر دئے گئے، نیز دوسری چیز یہ ہے کہ صفیہ کو ماں باپ دونوں طرف سے سیادت و قیادت حاصل تھی کہ ان کے والد قبیلہ بنونظیر کے سردار تھے جبکہ ماں (جن کا نام مسموال تھا) رئیس قریظہ کی صاحبزادی تھی اور یہ دونوں خاندان (بنونظیر اور بنوقریظہ) بنی اسرائیل اور دیگر تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، غرضیکہ ایک طرف ان کی یہ عظمت اور دوسری طرف ان کو اتنی پریشانی، لہٰذا ان کی

پریشانی کو کم کرنے کے لئے اور ان کی دل جوئی اور عزت افزائی کے لئے آپ خود صفیہ کو رکھیں۔ صحابی کا مقصود یہ تھا کہ صفیہ کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ مناسب نہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو دوسری لونڈی عنایت کی اور خود صفیہ کو آزاد کرکے ان سے نکاح فرمالیا تاکہ ان کی دل جوئی ہو، نیز اس رشتہ مصاہرت کی وجہ سے بہت سے یہودی مسلمان ہوئے اور دیگر جو بچے تھے ان کی دشمنی خاطر خواہ کم ہوگئی۔

کیا ایسی عورت سے جو پہلے دو مردوں کے نکاح میں آچکی ہو اس سے شادی کرنا شہوت پرستی ہے یا اس کو پناہ دینا اور انعام کرنا ہے؟

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے چند حدیثیں مروی ہیں جن کو حضرت امام زین العابدین، اسحاق بن عبداللہ بن حارث، مسلم بن صفوان اور یزید بن معتب وغیرہ حضرات نے روایت کی ہیں۔

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی علم کا مرکز تھیں جیسا کہ اسد الغابہ میں ہے:

كَانَتْ عَاقِلَةً مِنْ عُقَلَاءِ النِّسَاءِ

یعنی وہ نہایت عاقلہ تھیں۔

(''اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ'' ۵/۴۹، ''زرقانی'' ۳/۲۹۶)

(۱۱) ام المومنین حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا:

قبیلہ قریش سے تعلق رکھتی ہیں، سلسلہ نسب اس طرح ہے: میمونہ بنت الحارث بن حزن بن بجیر بن رویبہ بن عبداللہ بن قیس بن عیلان بن مضر، جبکہ حضرت میمونہ کی والدہ جن کا نام ہند بنت عوف بن زبیر بن حارث بن حماطہ بن جراش ہے، قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتی تھیں۔ (موسوعۃ حیاۃ الصحابیات ۷۱۲)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح مسعود بن عمر ثقفی سے ہوا۔ (زرقانی ۳/ ۲۸۸) لیکن کسی وجہ سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی، پھر ابورہم بن عبدالعزی کے نکاح میں آئیں لیکن

ابورہم کی عمر نے بھی وفانہ کی اور اس طرح وہ ے ھ میں دار آخرت کو کوچ کر گئے۔ اسی سال (۸ ھ) میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے لئے مکہ تشریف لے گئے تو اس موقع پر ایک بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا، ان حضرات باصفا میں سے ایک مبارک نام حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا بھی ہے۔ یہ میمونہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ام الفضل کی سگی بہن ہیں گویا حضرت عباس کی سالی اور ابن عباس کی خالہ محترمہ ہوئیں۔ غرضیکہ ایسے موقع پر متعدد حضرات بشمول حضرت عباس وغیرہ نے میمونہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنے کی کوشش کی اور یہ کوشش بارآور ہوئی بلکہ حضرت عباس کی تحریک پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کرنے کی حامی بھرلی، نیز ایک بڑے قبیلہ کو اسلام کی طرف مائل کرنا بھی مقصد تھا، چنانچہ احرام ہی کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا، اس نکاح کے متولی حضرت عباسؓ ہوئے، عمرہ سے فراغت کے بعد مقام سرف میں رسم عروسی ادا کی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ مقام سرف ہی میں نکاح ہوا اور یہیں رسم عروسی ادا کی گئی اور یہیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اور اسی جگہ دفن بھی کی گئیں۔

(مسند احمد ۲/ ۳۲۶)

بہر حال شادی ہوئی اور حسب توقع اس نکاح سے خاطر خواہ فائدہ ہوا، وہ یہ کہ بہت سے حضرات کے اسلام لانے کا ذریعہ ثابت ہوا۔ ان بزرگوں میں ایک نہایت متبرک نام حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی ہیں ان کے علاوہ اور بھی دوسرے حضرات۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نکاح تھا۔[۱] پہلے ان کا نام برہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر میمونہ رکھ دیا، حضرت میمونہ سے چھیالیس حدیثیں مروی ہیں جن میں بعض سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے جن بزرگوں نے روایت کی ہے ان میں چند نام یہ ہیں: عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن شدادؓ، عبدالرحمٰن بن سائب،

---

(۱) "ذیل المزیل" للطبری ۱۲/ ۲۴۵۳، "طبقات بن سعد" ۸/ ۱۰، "اصابہ" ۶/ ۹۲)

یزید بن حم، یہ سب آپ کے بھانجے تھے، عطا بن یسار، سلیمان بن یسار، یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے، عبداللہ بن عتبہ وغیرہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے اخلاق کے سلسلہ میں فرماتی ہیں:

اِنَّهَا كَانَتْ اَخْوَفَنَا لِلّٰهِ وَاَوْصَلَنَا لِلرَّحِمِ

میمونہ خدا سے بہت ڈرتی تھیں اور صلہ رحمی بہت کرتی تھیں۔

متعدد نکاح کی
بعض مصلحتوں اور حکمتوں کا ذکر

مذکورہ بالا گذارشاد کی روشنی میں یہ بات بالکل بے غبار ہو جاتی ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو متعدد شادیاں کیں وہ نعوذ باللہ نفس پرستی اور شہوت رانی کے لئے نہیں بلکہ ملت بیضاء اور امت اسلامیہ بلکہ پوری انسانیت کے لئے، ان شادیوں کے پیچھے بفحوائے ''وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ'' بے شمار خیر و برکت اور فلاح و بہبودگی تھی، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان شادیوں کے پیچھے متعدد مصالح مضمر تھیں، بطور مثال ان مصالح اور حکم میں سے چند کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

ان شادیوں کا سب سے اہم بلکہ سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت اور ان کو احکام شرعیہ سے اسی طرح واقف کرایا جائے جس طرح صحابہ کرام واقف تھے تا کہ ان کے اندر دینی جذبہ پیدا ہو اور صالح معاشرہ تشکیل پائے، کیونکہ عورتوں کی صحیح تعلیم و تربیت اور ان کی اصلاح مردوں سے زیادہ عورتوں سے ہوتی ہے، بلکہ بسا اوقات صنف نازک کے بعض مخصوص مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کا مردوں سے دریافت کرنا مشکل ہوتا ہے اور یہی ان کی فطرت کا تقاضا بھی ہے اور اہل علم و دانش اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فطری طور پر حیا کا غلبہ تھا جیسا کہ روایت میں ہے:

كَانَ اَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِمَارِهَا (1)

---

(١) رواه ''البخاري'' عن عائشة (رقم الحديث: ٦١٠٢)

جس کی وجہ سے بعض دفعہ خواتین کے سوال و جواب میں صراحت کا پہلو اختیار کرنے کے بجائے اجمال وابہام اور اشارہ کا پہلو اختیار فرماتے جسے وہ سمجھ نہیں پاتیں تو ازواج مطہرات میں سے کسی نے اندر کھینچا اور سمجھا دیا۔ اس کی مثال کتب حدیث میں بھری پڑی ہے، بطور نمونہ ایک مثال:

ایک انصاری خاتون اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا نے حیض سے پاکی اور غسل کرنے کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا ''کَیْفَ اَغْتَسِلُ مِنَ الْحَیْضِ'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کے انداز میں انہیں جواب دیا اور روئی کا ٹکڑا لے کر طہارت حاصل کرنے کی تلقین کی، لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کو نہیں سمجھ سکیں جس کی وجہ سے اسی سوال کو تین مرتبہ پوچھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجباً ''سبحان اللہ'' کہا اور پہلے جواب کا اعادہ کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور تنہائی میں لے جا کر مسئلہ کی نوعیت کو پورے طور پر سمجھا دیا۔ (۱)

غرضیکہ عورتوں کی صحیح تعلیم و تربیت اور ان کے درمیان تبلیغ و دعوت اور شرعی احکامات کی نشر واشاعت کے لئے بحوائے ''لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ'' ضرورت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبائل، مختلف عمروں اور مختلف ذہنوں کی حامل متعدد خواتین کو حرم نبوت میں لائیں تا کہ براہ راست ان کی تربیت فرما کر دیگر عورتوں کی اصلاح کے لئے ان کو تیار کریں، چنانچہ ان امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے عہد نبوی میں بھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد بھی عورتوں میں تبلیغ و دعوت کا کام انجام دیا اور احکام اسلامیہ کی نشر واشاعت میں مصروف رہیں، چنانچہ عورتوں کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو ان ہی کے ذریعہ مرتب ہوئے۔

قرآن کریم نے ازواج مطہرات کی ذمہ داری کو بہت اختصار مگر جامع انداز میں بیان کیا:

---

(۱) اخرجه ''البخاری'' عن عائشه (رقم الحدیث: ۳۱۴، ۳۱۵)

يٰا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ

یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کی طرح نہیں، آخر تم کو اللہ پاک نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے منتخب فرمایا اور امہات المومنین بنایا، لہٰذا تقوی اور طہارت کا بہترین نمونہ پیش کرو جیسا کہ تم سے توقع ہے، اس کا وزن اللہ کے یہاں بہت زیادہ ہوگا، اور اگر بالفرض کوئی بری حرکت سرزد ہوئی تو اسی نسبت سے وہ بھی بہت زیادہ بھاری اور قبیح سمجھی جائے گی، غرضیکہ بھلائی کی جانب ہو یا برائی کی عام مومنات سے تمہاری پوزیشن ممتاز رہے گی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض شادی اس لئے کی تا کہ اس کے ذریعہ رسم ورواج کا خاتمہ ہو، ان باطل عقیدوں اور رسم ورواج میں سے غلامیت کا تصور اور تبنیت کا عقیدہ کافی زوروں پر تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی تعلیم دی جیسا کہ یہ بات معروف ہے کہ عرب میں غلام سب سے زیادہ حقیر اور ذلیل سمجھے جاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات، اخوت انسانی اور جنس انسانی کی برابری کی تعلیم دی، اس کے لئے عملی مثال کی ضرورت تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قریش کی معزز ترین بیٹی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کرادی جبکہ اسلام سے پہلے عرب میں قبائل کی باہمی شرافت کی کمی وزیادتی کا اس درجہ احساس تھا کہ لڑائی میں بھی اپنے سے کم رتبہ پر تلوار چلانا عار سمجھا جاتا تھا، کہ ذلیل خون اس کی شریف تلوار کو ناپاک نہ کردے، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ اے لوگو! تم سب آدم علیہ السلام کے بیٹے ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر، عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، تم میں سب سے افضل وہ ہے جو اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ (مسند احمد ۵/۵۱۰، حدیث ۲۳۴۷۹)

اس تعلیم نے دفعۃً بلند وپست، اعلیٰ وادنیٰ، غلام وآقا سب کو ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا، لیکن ضرورت تھی عملی مثال کی، یہ مثال خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی، اپنی

پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کو جو قبیلہ قریش کے نہایت شریف اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اپنے غلام زید بن حارثہ سے بیاہا، یہ اسلامی مساوات کی عملی مثال ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

دین اسلام نے ''رسم تبنیت'' کو ختم کرنا چاہا تو سب سے پہلے زید بن محمد زید بن حارثہ کہلائے، منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح عرب میں ناجائز سمجھا تھا لیکن چونکہ یہ محض ایک لفظی رشتہ تھا، جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہ تھا، نیز اس بری رسم سے بہت سی خاندانی روایتوں اور خرابیوں کی بنیاد عربوں میں قائم ہوگئی تھی، اس لئے اس کا توڑنا ضروری تھا، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آگے بڑھ کر اس کی مثال پیش کی اور زید بن حارثہ کی مطلقہ بیوی سے شادی کر لی جب سے یہ بری رسم مٹ گئی۔ غرضیکہ اس شادی کا سب سے اہم مقصد ''رسم تبنیت'' کی بے ہودہ رسم کا قلع قمع کرنا تھا سو وہ بحمد اللہ پورا ہوا۔ اس پر منافقوں اور بدگووں نے بہت طعنے دیے لیکن امر حق کے اجراء میں مطاعن کی آماجگاہ بننا لازمی ہے۔

مخالفین و معاندین نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے گو سرتاپا کذب و افتراء ہے لیکن ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انہوں نے رنگ آرائی کے لئے سیاہی ہمارے ہی ہاں سے مستعار لی ہے۔

تاریخ طبری میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زید بن حارثہ سے ملنے کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے، زید بن حارثہ گھر پر نہ تھے، حضرت زینب کپڑے پہن رہی تھیں، اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ لیا اور یہ الفاظ کہتے ہوئے باہر نکل آئے:

سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ، سُبْحَانَ اللهِ الْمُصَرِّفِ لِلْقُلُوْبِ

پاک ہے خدائے برتر، پاک ہے وہ خدا جو دلوں کو پھیرتا ہے۔ (تاریخ طبری بحوالہ فتح الباری، تفسیر سورہ احزاب)

زید بن حارثہ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں عرض کیا کہ زینب اگر آپ کو پسند آ گئی ہے تو میں ان کو طلاق دیدوں؟

یہ باطل اور لغو روایت نہ چاہتے ہوئے نقل کی گئی ہے کہ "نقل کفر کفر نہ باشد" یہی روایت عیسائی مورخوں کا مایہ استناد ہے، لیکن ان غریبوں کو یہ معلوم نہیں کہ اصول حدیث کے لحاظ سے یہ روایت کس درجہ کی ہے، مورخ طبری نے یہ روایت واقدی کے ذریعہ نقل کی ہے جو مشہور کذاب اور دروغ گو ہے اور جس کا مقصد اس قسم کی بے ہودہ روایتوں سے یہ تھا کہ عباسیوں کی عیش پرستی کے لئے سند ہاتھ آئے۔

طبری کے علاوہ اور بھی محدثین نے اس باطل اور لغو حدیث کو بیان کیا ہے لیکن جمہور محدثین نے اس کو قابل ذکر نہیں سمجھا کہ ان سے تعرض کیا جائے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے بارے میں رقم طراز ہیں:

وَرَدَتْ آثَارٌ اُخْرىٰ اَخْرَجَهَا اِبْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ وَالطَّبْرِیُّ وَنَقَلَهَا كَثِيْرٌ
مِنَ الْمُفَسِّرِيْنَ لَايَنْبَغِي التَّشَاغُلُ بِهَا (فتح الباری)

اس کے علاوہ اور دیگر محدثین جن کا معیار تحقیق بلند ہے اور عدالت روایت کے حاکمان مجاز ہیں مثلاً شیخین رحمہما اللہ وغیرہ ان کے یہاں ان روایتوں کا ذکر تک نہیں ہے۔

مستشرقین ساری بات کرتے ہوئے احتیاط کے ساتھ دو باتیں لکھنا بھول جاتے ہیں، بیسیوں صفحے اس بات پر سیاہ کریں گے، نہیں لکھیں گے تو صرف یہ دو باتیں نہیں لکھیں گے... ایک یہ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ہیں اور بچپن سے حضور کے ساتھ رہی ہیں، ان دنوں پردہ کا کوئی رواج نہیں تھا اور نہ ابھی اس کے احکام آئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچپن سے جوانی تک انہیں دیکھتے رہے، زیدؓ سے شادی کے بعد پہلی مرتبہ دیکھنے اور ان کے حسن سے متاثر ہونے کی بات مضحکہ خیز چیز ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کے ساتھ ان کی شادی کی تھی، نعوذ باللہ ان کے حسن پر مر مٹے تھے تو پھر زید کے ساتھ شادی کیوں کی؟ پہلے ہی سے اپنے ساتھ شادی کر سکتے تھے، کیا امر مانع تھا؟ گھر کا رشتہ تھا، غیروں سے رشتے کر رہے تھے اپنوں سے

کیوں انکار ہوتا۔ لیکن مستشرقین کی اس صریح بددیانتی کا ہمارے پاس کیا علاج کہ ان کی ہر تحریر میں ان دو باتوں کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں ہوتا۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ شادیاں اس لئے کیں تا کہ اس کے ذریعہ اپنے دیرینہ تعلقات و روابط میں مزید استحکام اور بہتری پیدا ہو کیونکہ رشتہ مناکحت و مصاہرت ہر دور میں مختلف خاندانوں اور قبیلوں کے مابین باہمی تعلقات و روابط کو مستحکم کرنے ،نفرت وعداوت اور تعصب وانانیت کو ختم کرنے اور آپس میں مضبوط ربط وضبط قائم کرنے کا اہم ذریعہ رہا ہے، ہر زمانہ میں اس کی مثال مل جائے گی کہ سربراہوں، بادشاہوں اور حکمرانوں نے رشتہ مصاہرت کے توسط سے اپنے لائق وزراء اور امراء کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کئے ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی بعض شادیاں اسی پس منظر میں ہوئیں جیسا کہ اپنے حبیب صدیق اکبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہا سے بھی شادی آپ نے اسی مقصد کے لئے کی، ایسے ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا دیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے لائق وزیر خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا تا کہ دین کی طرف سبقت کرنے والے اور اسلام کی شان وشوکت میں چار چاند لگانے والے اصحاب بدریین سے تعلقا میں مزید بہتری پیدا ہو۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت سفیان رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے شادی کی تا کہ اس کے ذریعہ اسلام دشمن قبائل اور مختلف تنظیموں کی طاقت کو ختم کیا جائے اور دین اسلام کے تئیں ان کی پالیسی کو نرم بنایا جائے، سوالحمد للہ اس مقصد میں بھی کامیابی ملی کیونکہ عرب کی قدیم روایات کی بنیاد پر جو شخص کسی خاندان کی خاتون سے نکاح کرتا تو وہ صرف اس منکوحہ کے خاندان کا داماد نہیں ہوتا تھا بلکہ پورے قبیلہ کا داماد تصور کیا جاتا تھا اور سب اس کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، داماد سے لڑنا اور محاذ آرائی کرنا

تو دور کی بات اس کی ذلت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ (موسوعة حياة الصحابيات ۳۸۰)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا ایک اہم فائدہ یہ ہوا کہ ابوسفیان جو بدر، احد، خندق وغیرہ کی لڑائیوں کا سرغنہ تھا، جس نے کتنے مسلمانوں کو تہ تیغ کرایا، جس نے کتنی دفعہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کیا، جو ہر قدم پر اسلام کا سخت دشمن تھا، اس رشتہ مصاہرت کے بعد بالکل نرم پڑ گیا، پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میدان جنگ میں نہیں آیا بلکہ اس رشتہ پر مسرت وشادمانی کا اظہار کیا اور پھر فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کر لیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو ایک رئیس کی صاحبزادی تھیں باندی ہو کر آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرما کر ان کی عزت افزائی کے لئے نکاح فرما لیا۔ اس شادی کا سیاسی فائدہ یہ ہوا کہ یہودیوں کی دشمنی میں غیر معمولی کمی واقع ہوئی، یہی یہودی جو اسلام کے خلاف پہلے ہر لڑائی میں کفار کا ساتھ دیتے تھے وہ حمایت ختم ہوگئی، نیز بہت سے یہودیوں نے اسلام قبول کر لیا۔

اسی طرح حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے میں جہاں ایک غرض یہ تھی کہ اس بے سہارا کو سہارا دیا جائے اور قریش کی اس معزز ومکرم خاتون کی عزت وتوقیر ہو وہیں اس شادی کی دوسری غرض تھی کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے خاندان والے حلقہ بگوش اسلام ہوں، چنانچہ اس شادی کے بعد حضرت میمونہ کے خاندان والے کی حمایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگئی اور اس خاندان کے متعدد بااثر حضرات اسلام کے آغوش رحمت میں آگئے، جن بزرگوں نے اسلام قبول کیا ان میں ایک اہم نام نامی اسم گرامی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ہے جو اسلام کے اہم جرنیلوں میں سے ایک تھے۔ ایسے ہی اسی خاندان کے دوسرے معزز شخص حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (فاتح مصر) ہیں اور تیسری برگزیدہ ہستی کعبہ شریف کے متولی کلید بردار حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس نکاح کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ نجد میں دعوت اسلامی کی راہ ہموار ہوئی، کیونکہ حضرت

میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن نجد سردار کی منکوحہ تھیں، اس کے نتیجے میں رؤسا نجد اسلام سے قریب ہوئے اور شدہ شدہ پورا نجد دین رحمت میں داخل ہوگیا، جب کہ یہی اہل نجد متعدد بار عہد شکنی کے مرتکب ہو چکے تھے اور ستر مبلغین اسلام کو دھوکہ دے کر اپنے ملک لے جا کر ان کا سر قلم کر دیا تھا، بخاری شریف میں اس واقعہ کی پوری تفصیل موجود ہے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جتنے بھی قیدی تھے ان تمام کی رہائی ہوگئی کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ کے ہیں، پھر رہائی کے بعد سب کے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاق سے متاثر ہو کر معبودان باطلہ کی پرستش چھوڑ کر ایک خدائے کائنات کے پرستار ہو گئے۔

کچھ شادیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے کیں تا کہ ان عورتوں کی کفالت کا مسئلہ حل ہو جائے جن کے شوہر میدان جنگ میں شہید ہو گئے تھے، اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح بیوگان کی تحریک چلائی اور متعدد صحابہ کرام کو اس بات پر آمادہ کیا کہ مجاہدین کی بیوہ سے شادی کر لو، تا کہ ان کی کفالت کا مسئلہ حل ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ فراست اور پیغمبرانہ بصیرت کامیاب ہوئی۔ اس کے علاوہ آپ نے بھی متعدد بیواؤں سے شادی کی خصوصاً ایسی بیوہ سے جن کی کبرسنی اور کثیر العیالی کی وجہ سے مناسب رشتہ نہیں مل رہا تھا، اس سلسلے میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا، ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نام سرفہرست ہے۔

سماج میں ان شادیوں کا بہت اچھا اثر پڑا، بلکہ غیروں نے بھی اس کو سراہا اور بہت سے لوگ اس مبارک اور حکیمانہ فیصلہ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج کی حکمت و مصلحت پر روشنی ڈالتے ہوئے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنی کتاب ''نبی رحمت'' صفحہ ۵۶۴ پر رقم طراز ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی

دوشیزہ اور غیر شادی شدہ خاتون سے نکاح نہیں کیا، اس کے علاوہ جتنی شادیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائیں اس میں دین اور دعوت دین کی کوئی مصلحت، فراغ قلبی، عالی ظرفی، مکارم اخلاق، مسلمانوں کا کوئی مفاد عام یا کسی بڑے اجتماعی خطرہ اور مفسدہ کا سدباب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا۔''

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ عربوں میں خاندانی اور قبائلی حمیت و غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، وہ اپنے خاندان اور قبیلہ کو دوسرے خاندان اور قبیلوں سے برتر اور اونچا ثابت کرنے کے ہمیشہ درپے رہتے تھے۔ گوکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تصور کو ان کے ذہنوں سے صاف کیا لیکن عام مسلمان اور سیدھے سادھے بدوؤں سے یہ چیز بتدریج دور ہوئی اور اس کے لئے عرصہ لگا، لیکن اس عرصہ کے دوران ہر خاندان وقبیلہ کی عورتوں کے بہت سے ایسے مسائل تھے جن کو وہ براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پوچھ سکتی تھیں اور دوسرے قبیلہ کی عورت خواہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہی کیوں نہ ہو اس سے پوچھنے میں خاندانی غیرت وحمیت کسی حد تک آڑے آتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کے حل کے لئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے الگ الگ بڑے قبیلوں میں نکاح کرنے کا حکم دیا جن سے ان کے ماتحت قبیلے کسی قسم کی عار نہیں محسوس کرتے۔

خلاصہ کلام:

غرضیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی شادیاں فرمائیں وہ نعوذ باللہ نفس پرستی اور شہوت رانی کے لئے نہیں بلکہ دینی، دعوتی، تربیتی، اصلاحی اور سیاسی و اجتماعی مصالح کے تحت، اللہ نے جس کو تھوڑی سی بھی عقل دی ہو وہ یہ بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ صنفی میلان کا اصل زمانہ ۲۵ سال تک ہے، اس دور میں صنفی میلان نہایت شباب پر ہوتا ہے اور جنسی خواہشات کا دباؤ انسان کے اعصاب و دماغ پر زیادہ ہوتا ہے، لیکن پچاس سال تک کی زندگی تنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گذارا جو بیوہ تھیں، ان کے رہتے ہوئے دوسری عورت

کا خیال بھی دل میں نہیں لائے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں کسی دوشیزہ سے شادی رچا لیتے، اس پر نہ تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اعتراض ہوتا نہ کسی عرب کو کیونکہ عرب میں اس کا عام رواج تھا، جیسا کہ بعض صحابہ کے پاس دس بارہ بیویاں تھیں جن میں سے چار کو رکھنے اور باقی کو علیحدہ کر دینے کا حکم ہوا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پروقار شخصیت، خاندانی شرافت ووجاہت، بے مثال حسن وجمال، قابل رشک صحت اور دوسری صفات وکمالات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں میں ہر دلعزیز بنا دیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ایسی کشش تھی کہ اشارہ پر حسین وجمیل لڑکیاں آپ پر پروانہ وار گریں لیکن آپ نے اس معاملہ میں پورے صبر وتحمل سے کام لیا، ہاں ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد شادیاں ضرور کیں لیکن وہ بھی دینی، دعوتی، اصلاحی مصالح کے تحت جیسا کہ اوپر تفصیل سے گذرا۔ لیکن اس کے باوجود مستشرقین اور نام نہاد مفکرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ ذات پر کیچڑ اچھالتے ہیں اور آپ کی مقدس شخصیت کو داغدار بنا کر دنیا کو اسلام سے بدظن کرنا چاہتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کتنے پیشوا اور رہنما گزرے ہیں جن کے حرم سرا میں دس ہی نہیں بلکہ سیکڑوں بیویاں تھیں جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حرم میں دوسو بیویاں تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج سے متعلق یہ چند منتشر باتیں ٹوٹے پھوٹے انداز میں ہم نے لکھ دی ہیں، ان کے علاوہ سیرت پر عبور رکھنے والوں کو بہت ساری حکمتیں مل جائیں گی۔ اس سلسلے میں حکیم الامت علامہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''کثرت ازواج لصاحب المعراج'' کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔

نام نہاد مسلم مفکرین مستشرقین کی راہ پر:

مستشرقین نے اسلام کے جن مسائل کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے ان میں سے ایک اہم مسئلہ ''چار شادیوں کا مسئلہ'' ہے، انہوں نے کہا کہ یہ شہوت پرستی ہے، صنف نازک پر ظلم کرنا اور ان کی آزادی کو سلب کرنا ہے، اس قسم کے اور بھی خوبصورت جملے بظاہر انہوں نے

عورتوں کی حمایت میں کہے، لیکن حقیقت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں، جس کا اندازہ آپ کو آئندہ سطروں میں ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

مستشرقین و معاندین اسلامی احکام کے خلاف اگر اس قسم کے بلند و بانگ نعرے لگائیں اور اسلامی احکام کے خلاف غلط پروپیگنڈہ پھیلائیں تو اس میں حیرت واستعجاب کی کیا بات ہے؟ کیونکہ اسلام پر اعتراض کرنا ان کا شیوہ ہے، پیغمبر اسلام کو ہدف تنقید بنانا ان کی اہم غذا ہے، لیکن افسوس ہے ان روشن خیال مسلمانوں پر جو مستشرقین کے ہمنوا ہیں اور مغربی تہذیب کے پرستار ہیں، ان مستشرقین کے اعتراضات وشبہات کوسن کر دل میں جگہ دیتے ہیں اور یہ الفاظ تک ادا کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ ''مستشرقین کے اعتراضات میں کچھ نہ کچھ دم ہے'' اللہ حفظ وامان میں رکھے، یہ الفاظ ہمارے ایمان تک کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں۔ اصل میں یہ روشن خیال لوگ مغربی افکار ونظریات سے اتنے متاثر ہیں کہ مغرب کی ہر بات کو بلاچون و چرا قبول کر لیتے ہیں، چنانچہ جب مغرب نے کہا تہذیب و ثقافت تو اصل مغربی تہذیب وثقافت ہے تو قدیم ترین زمانہ سے تہذیبوں کے گہوارے مشرق نے قبول کر لیا، مغرب نے کہا کہ خدا اور مذہب وہم اور دقیانوسیت کی پیداوار ہے اور علمی وتمدنی ارتقاء کے لئے انہیں خیر باد کہنا ناگزیر ہے تو مشرق نے سر تسلیم خم کر لیا، مغرب نے کہا کہ حیا، پردہ، عفت وعصمت، نکاح اور جنسی وفاداری فرسودہ اور لایعنی باتیں ہیں، انسان حیوان ہے اور اسے حیوانی فطرت پر ہی زندگی کی عمارت تعمیر کرنی چاہئے اور حیوانی فطرت سے قریب تر روش یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کو جنسی تعلق قائم کرنے کی غیر محدود آزادی ہو، وہ جس سے چاہیں اور جب تک چاہیں لطف اندوز ہوں اور جب ان کا دل بھر جائے تو ملاطفت اور ملاعبت کر کے ہٹ جائیں تو پھر مشرق نے اس کا بھی خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔

غرضیکہ وہ تمام چیزیں جو مشرقی تہذیب ہی نہیں مسلمہ اخلاقی اقدار کی رو سے بھی گناہ عظیم کا درجہ رکھتی تھیں، مغرب کے زیر اثر، تہذیب، دانائی اور شائستگی قرار پائیں۔ جدید تعلیم

یافتہ طبقہ کی اکثریت اسی ذہنی غلامی کا شکار ہوئیں، مغربی تہذیب وافکار کی غلامی کا ہی تو کرشمہ ہے کہ جب مغرب نے تعدد ازدواج پر اعتراض کیا تو مغرب زدہ طبقہ کو اس میں کیڑے نظر آنے لگے اور اس کا ارتکاب بدترین جرم کا ارتکاب قرار پایا۔

مخالفین کا استدلال اور اس کی حقیقت:

مستشرقین ومعاندین کے ساتھ مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو اپنے کو روشن خیال سمجھتے ہیں اور تعدد ازدواج میں مغربی فکر کی حمایت کرتے ہیں اپنے اس غلط نظریہ کی تائید میں قرآن کریم سے استدلال پیش کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں مردوں کو ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت اس شرط پر دی ہے کہ وہ بیویوں کے مابین حقوق کی ادائیگی میں نہایت ہی انصاف سے کام لے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ (نساء آیت ۳)

جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو اور تین تین اور چار چار سے شادی کرلو، اس کے بعد دوسری آیت ۱۲۹ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے صراحت کردی ہے کہ:

"بیویوں کے درمیان عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں، تم چاہو تو بھی عدل و انصاف کرنے پر قادر نہیں ہوسکتے۔

دیکھئے آیت کے الفاظ:

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ (نساء آیت ۲۹)

لہٰذا اب یہ بات واضح ہوگئی کہ چار شادیوں کی اجازت موقوف تھی عدل ومساوات کے قیام پر، لیکن دوسری آیت کی روشنی میں یہ بات بالکل بے غبار ہوجاتی ہے کہ انسان بیویوں کے مابین عدل قائم نہیں کرسکتا، لہٰذا اس کو چار شادی کرنے کی اجازت بھی نہ ہوگی۔ اس قسم کے اور بھی خوبصورت استدلال سے یہ حضرات یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کا اصل مقصد تعدد ازدواج کے طریقہ کو (جو مغربی نقطہ نظر کے اعتبار سے برا طریقہ ہے) مٹا دینا تھا مگر چونکہ یہ طریقہ بہت رواج پا چکا تھا اس لئے اس پر صرف پابندیاں عائد

کر کے چھوڑ دیا گیا۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کی باتیں دراصل ذہنی غلامی کا نتیجہ ہیں، تعدد ازدواج کا فی نفسہ ایک برائی ہونا بجائے خود نا قابل تسلیم ہے کیونکہ بعض حالات میں یہ چیزیں ایک تمدن اور اخلاقی ضرورت بن جاتی ہے، اگر اس کی اجازت نہ ہوتو پھر وہ لوگ جو ایک عورت پر قانع نہیں ہوسکتے حصار نکاح سے باہر صنفی بدامنی پھیلانے لگتے ہیں جن کے نقصانات تمدن واخلاق کے لئے اور معاشرہ کی صالحیت کے لئے بہت زیادہ ہیں، اس لئے اللہ پاک نے ان لوگوں کو اجازت دی جو اس کی ضرورت محسوس کریں، لیکن جو لوگ مغربی افکار ونظریات سے متاثر ہیں اور جن کے نزدیک تعدد ازدواج فی نفسہ ایک برائی ہے ان حضرات کو یہ حق بالکل نہیں پہنچتا کہ اپنی رائے کو خوامخواہ قرآن مجید کی طرف منسوب کریں کیونکہ قرآن پاک نے صریح الفاظ میں اس کو جائز ٹھہرایا ہے اور اشارتاً و کنایتاً اس کی مذمت میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہو کہ فی الواقع وہ اسے مسدود کرنا چاہتا ہے۔

اور جہاں تک بات رہی اس آیت کی جس میں ہے کہ ''بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں، اس آیت سے ان کا یہ استدلال کہ جب عدل کا قیام ناممکن الوقوع ٹھہرا تو فی نفسہ تعدد ازدواج کی حلت واباحت بھی ختم ہوگئی۔

یہ ایک ایسا استدلال ہے جو نہ عقلاً درست ہے اور نہ ہی سیاق وسباق سے اس استدلال کی تائید ہوتی ہے اور نہ آج تک کسی مفسر قرآن نے ایسی رکیک تفسیر بیان کی ہے۔ مذکورہ تفسیر سن کر نعوذ باللہ ایسا لگتا ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ باری تعالیٰ پہلے عدل کی شرط کے ساتھ چار کی حد تک شادیوں کی اجازت دیں پھر اسی سورت میں آگے چل کر یہ کہہ کر اس کی ممانعت فرمادیں کہ تعدد ازدواج کی صورت میں چونکہ بیویوں کے درمیان منصفانہ سلوک ناممکن ہے اس لئے سابقہ اجازت منسوخ کی جاتی ہے۔ ایسی تضاد بیانی کا تصور تو کسی عاقل اور باشعور انسان سے بھی نہیں ہوسکتا، چہ جائے کہ اللہ پاک کی ذات سے جو حکیم وبصیر ہے۔ نیز نقلاً حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ غیلان ثقفی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بہت مشہور ہے جو کتب تفسیر میں کافی شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہے۔ نیز پوری امت کا اجماع ہے تعدد ازدواج

کے ثبوت پر۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت ۱۲۹ کا مطلب کیا ہے؟ تو اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی تمام حالات میں تمام حیثیتوں سے دو یا زائد کے درمیان قلبی مساوات ومیلانات میں عدل وانصاف نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ قلبی تعلق اور دلی میلان ایک غیر اختیاری چیز ہے، نیز اس پر مواخذہ بھی نہیں ہوگا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قَسَمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تُؤَاخِذْنِیْ فِیْمَا لَا اَمْلِکُ

اے اللہ میرے بس میں جتنا تھا میں نے مساوات برتی لیکن جو بات میرے اختیار سے باہر ہے اس پر میرا مواخذہ نہ فرما۔ (رواہ البخاری)

اور یہ بات عقل سے بھی لگتی ہے کہ متعدد بیویوں میں ایک خوبصورت ہے اور دوسری بدصورت، ایک جوان ہے اور دوسری سن رسیدہ، ایک دائم المرض ہے اور دوسری تندرست، ایک بدمزاج ہے اور دوسری خوش مزاج اور اس طرح اور بھی دیگر تفاوت ممکن ہے جن کی بنیاد پر ایک بیوی کی طرف طبعاً آدمی کی رغبت کم اور دوسری کی طرف زیادہ ہوسکتی ہے کہ یہ فطری امر ہے، ایسی حالتوں میں قانوناً اس سے یہ مطالبہ نہیں کیا جاسکتا کہ محبت ورغبت اور جسمانی تعلق میں سب کے درمیان مساوات رکھو، برابری رکھو، الا یہ کہ وہ نفقہ نہ دے یا دوسرے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے تو یہ واقعتاً قابل مواخذہ ہے، پھر ایسے آدمی کو چار یا دو عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت ہی نہیں ہوگی۔

تعدد ازدواج کے سلسلے میں صرف اسلام کو ہدف تنقید بنانا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اگر یہ جرم ہے تو اس کا ارتکاب اسلام ہی نے نہیں کیا ہے، اسلام سے پہلے بیشتر قوموں میں اس کا رواج تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ تعدد ازدواج کا رواج ہر دور میں رہا ہے تو زیادہ صحیح ہوگا اور اس کا اعتراف ان لوگوں نے بھی کیا ہے جو یک زوجگی کے حامی ہیں جیسا کہ ''انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا'' ج ۱۴ (Polygyny) تعدد ازدواج جو ایک ذیلی عنوان ہے اس کے تحت یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ:

''ایک دستور کی حیثیت سے تعدد ازدواج دنیا کے تمام علاقوں میں پایا جاتا ہے، قدیم قبائل ایسے بہت کم ہیں جن کے بارے میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ ان میں مرد کو استطاعت ہوتے ہوئے ایک سے زائد رشتہ ازدواج کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔''

''انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا'' ج ۱۸ میں (Poligyny) عنوان کے تحت اس کی اور تفصیل ملتی ہے، مثلاً کم متمدن اقوام (Lower Cultural Group) کے تحت درج ہے:

''شکار پر گذر اوقات کرنے والے میں تعدد ازدواج کا رواج زیادہ عام رہا ہے، گلہ بانی کرنے والے میں ایک بھی آدمی ایسا محسوس نہیں ہوتا جو یک زوجگی پر سختی سے عمل کرنے والا ہو، تعدد ازدواج افریقہ میں اپنی انتہا پر ہے عموم کے پہلو سے بھی اور بیویوں کے تعدد کے لحاظ سے بھی۔''

یہ تو نچلے طبقے یا غیر متمدن اقوام کی بات تھی، اب قدیم تہذیبوں کا حال بھی ''انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا'' کی زبانی دیکھتے ہیں:

''تعدد ازدواج یا داشتہ رکھنے کی ایک قسم جسے تعدد ازدواج سے بمشکل ہی ممتاز سمجھا جاسکتا ہے قدیم تہذیب کے اکثر لوگوں میں پائی گئی ہیں، چین میں قانونی بیوی کے علاوہ کچھ اور عورتیں بھی بیویاں کہلاتی تھیں یا وہ قانونی داشائیں ہوتی تھیں۔'' (انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا ۱۸۶)

اس قسم کی اور بھی عبارتیں ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ قدیم تہذیب میں متعدد عورتوں سے شادی کرنا جائز تھا، بلکہ اچھا خاصا رواج تھا، جن تہذیبوں نے تعدد ازدواج کو قانونی نظام کی حیثیت سے قبول نہیں کیا ان میں داشتہ عورتیں رکھنے یا قحبہ گری کا عام رواج تھا جس کو قانون تسلیم بھی کرتا تھا، چنانچہ یونانی اور رومی تہذیبیں تعدد ازدوج کو تسلیم نہیں کرتیں، البتہ قحبہ گری اور داشتہ بازی کو برداشت کرتی ہیں۔ جدید مغربی تہذیب کا نقطہ نظر بعینہ یہی ہے، ایک سے زائد باضابطہ تعلق ناجائز اور بے ضابطہ جنسی تعلق جائز اور بلا کسی تحدید کے

جائز، مغربی تہذیب نے یہ نظریہ یونانی اور رومی تہذیب سے لیا ہے۔

یہ تو قدیم تہذیب میں تعدد ازواج کے رواج کی بات تھی، اب جدید تہذیب کا حال بھی ملاحظہ فرمایئے:

> ''تعدد ازواج مسیحی یورپ میں بھی پایا گیا ہے، ان ملکوں میں جہاں بت پرستی کے دور میں تعدد ازواج کا رواج عام تھا، مسیحی فرمانرواؤں کی طرف سے تعدد ازواج کی راہ میں موانع حائل نہیں کیے گئے۔'' (انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا ۱۸۹)

تعدد ازواج کے مشہور یورپین ماہر ہر وسٹر مارک نے لکھا ہے کہ:

> ''آئرلینڈ کے فرمانروا ڈائرمیٹ کی دو ملکہ اور دو داشتائیں تھیں، شارلیمین کی دو بیویاں اور دو داشتائیں تھیں۔''

اسی نے لکھا ہے کہ سترہویں صدی عیسوی تک کلیسا کی طرف سے تعدد ازواج کی اجازت ملتی رہی ہے۔ (المرأۃ فی القرآن ۸۲)

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''المرأة بين الفقه و القانون'' میں اس سلسلے میں بہت صحیح لکھا ہے، یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جارہا ہے۔ اسلام ہی نے سب سے پہلے چند زوجیت کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ تقریباً تمام قدیم اقوام مثلاً یونانیوں، چینیوں، ہندوؤں، بابلیوں، آشوریوں اور مصریوں میں اس کا رواج عام تھا اور ان میں سے اکثر کے یہاں بیویوں کی تعداد بھی مقرر نہیں تھی۔ چینی مذاہب میں ایک سو تیس تک بیویاں رکھنے کی اجازت تھی، اس کے علاوہ یہودی مذہب میں بھی بغیر کسی تحدید کے متعدد بیویاں رکھنے کی اجازت تھی، تمام انبیاء تورات کے یہاں بہت سی بیویوں کا پتہ چلتا ہے۔ (المرأۃ بین الفقہ والقانون ۲۳)

غرضیکہ تعدد ازدواج کی اجازت صرف اسلام میں ہی نہیں بلکہ اس کی اجازت تقریباً ہر دور میں رہی ہے اور تقریباً ہر مذہب نے اس کے جواز کو تسلیم کیا ہے جیسا کہ اوپر ''انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا'' کے حوالہ سے بات آئی کہ یورپ میں بھی سترہویں صدی عیسوی میں اس کو جائز تسلیم کیا ہے اور چرچ و ریاست دونوں نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ (اب تو

مغربی مفکرین یہ کہنے لگے ہیں کہ تعدِ داز دواج ایک سماجی ضرورت ہے نیز یہ تعدداز دواج تہذیب واخلاق کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار کے بھی منافی نہیں) بائبل کے عہدنامہ عتیق میں تعدداز واج کی اجازت موجود ہے۔ (استثناء باب ۲۱، آیت ۱۵) میں بھی اس کی اجازت موجود ہے جیسا کہ یہ بھی صراحۃً لکھا ہوا ہے کہ بنی اسرائیل کے تمام برگزیدہ شخصیتوں کا اس پر عمل رہا ہے، ہندؤوں کے مذہبی قانون کی بنیادی کتاب ''منوسمرتی'' میں بھی تعدداز واج کی صریح اجازت ہے بلکہ ترغیب موجود ہے۔

ان عبارات کی روشنی میں یہ بات بہت حد تک واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام سے قبل بیویوں کی کوئی حد مقرر نہیں تھی، شاہوں کے حرم میں سیکڑوں بیویاں پائی گئی ہیں، یہی حال کم وبیش مذہبی شخصیتوں کا بھی رہا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کے حرم سرا میں ایک سو بیویاں تھیں، ایسے ہی افریقہ کے ایک ملک یوگنڈا کے ایک راجہ اور دوسرے ملک لانگو کے دوسرے راجہ کی سات ہزار بیویاں تھیں، لیکن موجودہ دنیا پر دین اسلام کا عظیم احسان ہے کہ اس نے صرف چار بیویوں تک کی تعداد پر حد لگادی اور ساتھ ہی ساتھ چار عورتوں کے ساتھ انصاف اور برابری کی شرط بھی لگائی، نیز اسے کوئی ضروری نہیں قرار دیا گیا کہ اس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جائے، شور مچایا جائے، تنظیمیں قائم کی جائیں۔ پھر یہ بھی تو سوچئے کہ ایک سے زائد شادی کرنے والوں کی تعداد ہی کتنی ہے، خاص طور پر ہمارے ملک ہندوستان میں اخبارات ورپورٹ کی روشنی میں سو افراد میں سے ایک فرد ہی متعدد شادی کرتا ہے، پھر جو مختلف شادیاں کرتے ہیں عموماً ان کے احوال خوشگوار ہی رہتے ہیں، حق تلفی اور ظلم وجور کے واقعہ کا محاذ آرائی کرنا اور دین اسلام کی شبیہ بگاڑنا کہاں تک درست ہے۔

اس کے علاوہ تعدداز دواج بعض حالات میں سماج کی اہم ضرورت بن جاتی ہے، چنانچہ مختلف مفکرین نے تعدداز دواج کے مصالح پر روشنی ڈالی ہے، یہاں ان میں چند کا ذکر کیا جارہا ہے۔

تعدّداز دواج کی سماجی اور معاشرتی مصلحتیں

اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ پیدائش کے اعتبار سے مرد وعورت کی تعداد یکساں ہوتی ہے مگر شرح اموات (Hortality) کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے مقابلے میں مردوں کے درمیان موت کی شرح زیادہ ہے، یہ فرق بچپن سے لے کر آخر عمر تک جاری رہتا ہے۔ ''انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا'' کے مطابق عمومی طور پر موت کا خطرہ عمر کے ہر مرحلے میں عورتوں کے لئے کم پایا گیا ہے اور مردوں کے لئے زیادہ۔

In general the risk death at any given age isless for females then for males. v. 11/37

سماج میں عورتوں کی تعداد کا زیادہ ہونا اور مردوں کی تعداد کا کم ہونا مختلف اسباب سے ہوتا ہے، مثلاً جب جنگ ہوتی ہے تو اس میں زیادہ تر صرف مرد مارے جاتے ہیں۔

پہلی عالمی جنگ (The First World War, 1914-18) میں آٹھ ملین اسی لاکھ سے زیادہ فوجی مارے گئے، شہری لوگ جو جنگ میں ہلاک ہوئے وہ اس کے علاوہ ہیں، اس میں بھی زیادہ مرد تھے۔ دوسری عالمی جنگ (1939-1945) میں ایران کی 28 ہزار عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ عراق میں ایسی عورتوں کی تعداد ایک لاکھ ہے جن کے شوہر اس جنگ میں کام آگئے۔

چونکہ یہ دور سائنسی وٹیکنالوجی دور ہے اس لئے ہر روز نئی نئی ایجادات ہو رہی ہے، نئی تحقیقات سامنے آرہی ہیں، نئی کمپنیاں وجود میں آرہی ہیں، ان چیزوں سے اگر ایک طرف بہت سارے فوائد ہیں تو دوسری طرف نقصان بھی ہے، کیونکہ اس طرح جدید صنعتوں نے حادثات کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے، موجودہ زمانے میں حادثاتی موتیں روز کا معمول بن گئی

ہیں، سڑک حادثے، ہوئی حادثے، کار کے حادثے اور دوسرے مشینی حادثے ہر ملک میں ہر روز ہوتے ہیں، جدید صنعتی دور میں یہ حادثات اتنے زیادہ بڑھ گئے ہیں کہ اب سیفٹی انجینئرنگ (Sefety Engineering) کے نام سے ایک مستقل فن وجود میں آ گیا ہے، 1967 کے اعداد وشمار کے مطابق اس ایک سال میں پچاس ملکوں میں مجموعی طور پر ایک لاکھ پچھتر ہزار حادثاتی اموات ہوئیں۔ دیکھئے (EB 16-137) اور یہ سب مرد تھے۔

اس طرح مختلف اسباب کی بنا پر صورتحال اکثر یہی رہتی ہے کہ سماج میں عورتوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہوتی ہے، امریکہ کی سوسائٹی جو نہایت ترقی یافتہ سوسائٹی سمجھی جاتی ہے مگر وہاں بھی یہ فرق پوری طرح پایا جاتا ہے، 1987 میں اس کی مردم شماری میں امریکہ کی آبادی میں مردوں کے مقابلے میں تقریباً 78 لاکھ عورتیں زیادہ تھیں، اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اگر امریکہ کا ہر مرد شادی شدہ ہو جائے تو اس کے بعد بھی امریکہ میں 78 لاکھ عورتیں ایسی باقی رہ جائیں گی جن کے لئے ملک میں غیر شادی شدہ مرد موجود نہ ہوں گے جن سے وہ نکاح کر سکیں۔ (ماخوذ از سہ روزہ دعوت)

عورتوں کی بڑھتی ہوئی تعداد ایک ایسا قضیہ ہے جو قوموں کے لئے پریشان کن ہوتا ہے، ایک طرف عورتوں کے لئے سکنیٰ (رہنے کی جگہ) اور نان ونفقہ کی فراہمی کا سوال ہوتا ہے اور دوسری طرف ان کی جنسی تسکین اور خواہشات نفسانی کی آسودگی کا مسئلہ ہوتا ہے، ساتھ ساتھ یہ پریشانی بھی لاحق ہوتی ہے کہ معاشرہ میں مردوں اور عورتوں کے اخلاق کا تحفظ کیسے ہو؟ کیونکہ معاشرہ میں جب بداخلاقی اور برائی جنم لیتی ہے تو اس کا اثر متعلقہ افراد تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ پورا معاشرہ اس برائی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے، کیونکہ معاشرہ نام ہے افراد کے مجموعہ کا، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ناجائز بچوں کا ہجوم اپنے ساتھ بے شمار برائیوں کو لاتا ہے، اس طرح پورا سماج اخلاقی آوارگی، معاشرتی انارکی اور پیچ در پیچ مسائل و مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔ ان تمام مسائل کے حل کا ایک واحد اور معقول طریقہ یہی ہے کہ مردوں کو کچھ شرائط وقیود کے ساتھ ایک سے زائد عورتوں سے شادی کی اجازت دی جائے۔

عورتوں کی کثرت ہونے کی صورت میں ایک مرد کا متعدد عورتوں سے تعلق ہونا ایک

لابدی امر ہے اور یہ تعلقات ظاہر ہے کہ ناجائز ہیں، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ کوئی آدمی یہاں پر یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ صالح معاشرہ میں یہ بھی تو ممکن ہے کہ عورتیں کثرت میں ہوں لیکن ان کی طرف کوئی نگاہ اٹھا کر نہ دیکھے۔ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ یہ آئیڈیل ہے اور کسی معاشرہ وسماج کے سارے لوگ مثالی نہیں ہوتے اور نہ ہی معاشرہ کی مثالی حالت ہمیشہ قائم رہتی ہے اور نہ مثالی افراد کو سامنے رکھ کر قانون بنایا جاتا ہے، پھر ان عورتوں کی جنسی تسکین کی تکمیل کے لئے نان ونفقہ، سکنی، حفاظت وکفالت کے مسائل تو بہر حال حل کرنے ہی ہوں گے۔

اس لئے برائیوں کے سدباب کے لئے ضروری ہے کہ ایک ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جس کی وجہ سے تعلق اخلاقی قانونی اور باضابطہ ہو جس کے نتیجے میں عورت گھر نان ونفقہ اور مرد کی حفاظت پائے، وہ مرد اس عورت کے لئے جنسی تسکین کا باعث ہوتا کہ اولاد کو معاشرہ میں حلالی ہونے کا شرف حاصل ہو، حرامی ہونے کا بدنما داغ نہ لگے، پھر یہ اولاد باپ کے زیر سایہ تربیت پائے اور باپ کی وفات ایسے ہی ان کے اعزہ واقرباء کے وفات کے بعد وراثت میں برابر کی حقدار ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ تعلق غیر اخلاقی اور بے ضابطہ ہو، جس کے بعد عورت اور اس کی اولاد کو مذکورہ نعمتوں میں سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو، وہ اور اس کی اولاد ذلت و حقارت سے در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو اور آوارگی اور گندگی کا مجسمہ بن کر سماج کو گندہ کرتی پھرے۔

ان دونوں صورتوں میں دین اسلام پہلی صورت کو جائز قرار دیتا ہے اور نہ صرف جائز قرار دیتا ہے بلکہ اس کی پرزور حمایت اور سفارش کرتا ہے چند شرائط کے ساتھ، جبکہ دوسری صورت کو ناپسند کرتا ہے اور اس کو حرام کاری پر محمول کرتا ہے۔ لیکن یورپ میں پہلی صورت یعنی تعددازدواج کو ناجائز اور دوسری صورت کو نہ صرف یہ کہ انگیز کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات اسے تہذیب کی نشانی قرار دیتے ہیں، اگرچہ چوٹی کے مغربی محققین اس حل سے بیزار نظر آتے ہیں اور تعددازدواج کی حمایت کی طرف ان کا میلان بڑھ رہا ہے۔

''انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا'' کے حوالے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آج سے بائیس سال پہلے یورپ بلکہ صرف امریکہ میں ایک کروڑ بیس لاکھ دوشیزاؤں میں سے نوے (۹۰) لاکھ کنواری ہیں، تیس لاکھ سے زائد عورتیں شوہر، بچے کے بغیر تنہا زندگی گذارنے پر مجبور ہیں، عورتوں کی فالتو تعداد گذشتہ صدی میں بتدریج بڑھتی رہی، ۱۹۳۹ء میں برطانیہ میں مردوں سے ۲۸۱۸۳۴۳ عورتیں زیادہ تھیں، اب جنگ نے تین لاکھ مرد اور لے لئے اور ہزارہا ہزار مرد لنگڑے اور معذور ہیں جو بستر مرض کو چھوڑ نہیں سکتے، ان ہزاروں لڑکیوں کا کیا بنے گا جن کے شوہر اور کمانے والے ختم ہوگئے، یہ برطانیہ کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کی کثرت اور مردوں کی قلت انگلینڈ ہی میں نہیں بلکہ پورے یورپ میں ایک اہم مسئلہ ہوگیا ہے، اخلاقی آوارگی اور بداخلاقی کا ہیبت ناک تسلط جسے ہر شخص مغربی تہذیب میں ہر جگہ دیکھ سکتا ہے اس کی بڑی وجہ عورتوں کی کثرت ہے۔ مغرب کے ذہنی پہلوانوں کا نظریہ یہ ہے کہ مرد کو ایک سے زائد شادی نہیں کرنی چاہئے، البتہ آزاد صنفی تعلقات، خواہشات نفسانی اور شہوت رانی کو ختم کرنے کے لئے جتنی عورتیں چاہے رکھ سکتا ہے، مغرب کا قانون اس بات کے لئے تیار ہے کہ مسٹریس رکھنے اور ازدواجی تعلقات سے ماسوا صنفی تعلقات کو برداشت کریں لیکن ایک سے زائد شادی کو جائز نہیں سمجھتے۔

چنانچہ مغرب میں عورتوں کی کثرت کی وجہ سے جرائم کی کثرت ہے، اس کا اندازہ ہر اس شخص کو ہے جس کی نظر حالات پر ہے کہ وہاں قوم لوط کے عمل کو قانوناً جائز تسلیم کیا گیا ہے، کھلے عام زنا کو فیشن تصور کیا جاتا ہے بلکہ قانوناً لائسنس ملتا ہے۔

لیکن ظاہر ہے یہ درست نہیں ہے، اس لئے متعدد مغربی دانشور عورتوں کی کثرت کے باعث تعدداز دواج کی حمایت کرنے لگے ہیں اور پرزور انداز میں تعدداز دواج کی اہمیت اور وکالت کرنے لگے ہیں، سرفہرست Gearge Scoy میں دیکھئے:

Sunday Chornicle marriage comissio report x yyed.

بنات آدم کی فطری معذوری

ازدواجی زندگی کا فطری اور بنیادی پہلو جنسی خواہشات کی تسکین ہے، یہ مرد عورت کا فطری مطالبہ بھی ہے اور عفت وعصمت اور تحفظ اخلاق کے سلسلے میں بھی اسے اساسی اہمیت حاصل ہے، جہاں تک بات رہی مرد کی تو وہ جنسی وظیفہ کو ہر وقت ادا کرسکتا ہے مگر عورت ہر وقت مرد کے لئے موزوں نہیں، اس لئے کہ اس کو متعدد امراض لاحق ہوجاتے ہیں جن کی بنیاد پر وہ مرد کی خواہش پوری نہیں کرسکتی، مثلاً ہر مہینہ میں کم از کم تین دن یا زیادہ سے زیادہ دس دن حیض آتا ہے اور ظاہر ہے حیض کے ایام میں مباشرت کرنا موزوں نہیں کہ ہر طبیعت سلیمہ ایسی صورتحال میں مقاربت ومجامعت کرنے سے ابا کرتی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں صراحۃً اس سے منع کیا گیا ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ
وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ۔ (بقرہ آیت ۲۲۲)

اس آیت شریفہ کا حاصل یہ ہے کہ حالت حیض میں عورتوں کے قریب نہ جاؤ تا آنکہ وہ پاکی نہ حاصل کرلیں۔ قریب نہ جانے سے مراد یہ ہے کہ ایسی حالت میں ان سے مقاربت وہمبستری نہ کرو، ایسے ہی وضع حمل کے بعد چالیس روز نفاس کی حالت رہتی ہے اس میں بھی مقاربت نہیں کرسکتے۔ ایسے ہی حمل میں جماع کرنے سے عورت اور بچے دونوں کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے، اسی طریقہ سے مدت رضاعت میں بھی جنسی تعلق قائم کرنا غیر مناسب ہے کہ اس سے بعض مرتبہ عورت کی صحت کو خطرہ لاحق ہونے کا قوی اندیشہ رہتا ہے، اس کے علاوہ اور دوسرے اعذار جن کی بنیاد پر عورت سے ایک طویل مدت تک جنسی وظیفہ کی تکمیل نہیں ہوسکتی، اور ظاہر ہے کہ ایک صحت منداور قوی شخص کے لئے اتنے دنوں

تک صبر کرنا نہایت ہی مشکل ہے، خصوصاً عصر حاضر میں جب کہ فحش گانوں، گندے ناولوں، فلموں، تصویروں اور بے باک حسن کے پرکشش مظاہروں نے انسان کے جنسی جذبات کو سخت مشتعل کر دیا ہے، ایسے افراد اگر ذرائع وسائل رکھتے ہوں تو ان کے لئے دو راستے ہیں:

(۱) یا تو وہ کسی فاحشہ سے ربط پیدا کر کے اپنی پیاس بجھائے یا کسی داشتہ اور رکھیل کو رکھ کر صنفی تعلقات قائم کرے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مرد مزید ایک عورت سے نکاح کر لے اور اخلاقی حدود کے اندر اس عورت سے اپنا وظیفہ پور کرے۔

عقل سلیم رکھنے والا ہر شخص دوسری صورت کو ہی پسند کرے گا کیونکہ پہلی صورت غلط اور سماج کے لئے مہلک ہے۔

''انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا'' میں تعدد ازدواج کے اسباب کی نشاندہی یوں کی گئی ہے، انتھونی ایم لوڈوری (Anthorny M. Lodorici) کہتا ہے:

> ''یک زوجگی کی شادی جو دو قابل ازدواج اور صحت مند افراد کی یکجائی سے تشکیل پائی ہے شوہر اپنے آپ کو ایک ایسے لاینحل مشکل میں گھرا ہوا پاتا ہے اگر وہ معمول کے مطابق اور تنومند ہے تو اپنی بیوی سے کئی مہینے تک کے لئے دور رہنے کا خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا، حالانکہ اس کے لئے ایسا کرنا ناگزیر ہے، تہذیب جدید کا دامن اس قباحت اور بدنمائی سے داغدار ہے کہ اس کی اختیار کردہ اسکیم کی رو سے مرد مجبور ہوتا ہے، اس مدت میں خفیہ ملاقاتوں، جعل و فریب اور چھپ چھپ کر بدکاری کی راہ اختیار کرے جس کے نتیجے میں مرد ہر نا قابل تصور خطرے اور خرچ سے دوچار ہو سکتا ہے اور عموماً ایسا ہوتا بھی ہے۔''

سابقہ معروضات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عورت کے کچھ امراض و اعذار فطری ہوتے ہیں جن کی بنا پر خواہشات کی تسکین و تکمیل کے لئے دوسری عورت سے نکاح کرنا ناگزیر ہے۔

عورت کا دائم المرض ہونا:

عورت کبھی دائم المرض ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ مرد کی خواہش پوری نہیں کرسکتی، اگر وہ مرد کی جنسی خواہش کو پورا کرنا چاہے تو مرد کی صحت کے تلف ہونے کا قوی امکان ہے، ایسی صورت میں آپ مرد کو کیا صلاح ومشورہ دیں گے؟ اگر آپ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم مرد کو صبر کی تلقین کریں گے، لیکن صبر کی ایک حد ہوتی ہے، پھر خواہش نفس کی تکمیل کے معاملے میں زیادہ دنوں تک صبر کرنا اور وہ بھی وہ شخص جو تعلقات زن وشو کی لذت سے آشنا ہو اس کے بس کی بات نہیں، اب اس پیچیدگی کو حل کرنے کے سلسلے میں تین امکانی صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) مرد اپنی اس بیوی کو طلاق دیدے جو برسوں سے اس کی ساتھ رہی ہے۔ یہ امکانی صورت صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ تو عورت کو عین بے بسی کے عالم میں بے یار و مددگار چھوڑ دینا ہے، اس لئے کہ ایسی عورت کی تو کسی جگہ شادی بھی نہیں ہوسکتی۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مرد اپنی جنسی خواہشات کی تسکین کے لئے کسی بازاری عورت سے تعلقات قائم کرے یا کوئی غیر فطری طریقہ اختیار کرے، ظاہر ہے کہ کوئی شریف النفس انسان اس صورت کو برداشت نہیں کرسکتا، کیونکہ اس غیر فطری طریقہ سے اپنے آپ کو اپنے سماج کی عفت مآب عورتوں کو اور انجام کار پورے معاشرہ کو گندگی اور برائی میں لت پت کرنا ہے۔

(۳) تیسری صورت جو درحقیقت اس پیچیدگی کا صحیح حل ہے وہ یہ ہے کہ مرد پہلی شریک حیات کو رکھتے ہوئے دوسری شادی کرلے اور دونوں بیویوں کے ساتھ عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں قرآن وحدیث کے رہنما اصول کے مطابق عدل وانصاف کا رویہ اختیار کرے۔ یہی وہ واحد شکل ہے جس میں مرد اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے اپنی خواہشات وجذبات کو تسکین بھی پہنچا سکتا ہے اور اس طرح وہ برائیوں سے بھی بچ سکتا ہے، اس کے علاوہ اس صورت میں گھر کے کام کاج برابر انجام پا سکتے ہیں،

اس صورت میں پہلی بیوی اور اس کی اولاد مصائب وآلام سے دوچار بھی نہیں ہوگی اورسوسائٹی اخلاقی مفاسد کا شکار ہونے سے بھی بچ جائے گی۔

عورت کا عقیم یعنی بانجھ ہونا:

عورت کی متعدد بیماریوں میں سے ایک اہم بیماری عورت کا بانجھ ہونا ہے اور کسی عورت کا بانجھ ہونا یہ ایک قدرتی مرض ہے جس میں عورت کا کوئی اختیار نہیں، جب کہ ہر مرد کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد ہو، اور کیوں نہ ہو جب کہ نکاح کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد توالد تناسل اور افزائش نسل ہے، اس پس منظر میں مرد اگر اولاد کی خواہش کرتا ہے تو یہ ایک فطری امر ہے، بسا اوقات یہ چیز خواہش سے بڑھ کر ایک ضرورت بن جاتی ہے کہ مرد اپنے کاموں کی تکمیل اور اپنی زمین وجائیداد کی بقا اور نگہداشت کے لئے اولاد کا محتاج ہوتا ہے۔ اب اس اہم ضرورت کی تکمیل کیوں کر ہو؟ کیا مرد عرصہ دراز کی رفیقہ حیات کو طلاق دے کر کسی دوسری عورت سے شادی رچالے؟ لیکن طلاق تو آخری راستہ ہے، پھر اس میں اس معصوم عورت کا کیا قصور ہے جو اسے طلاق دی جارہی ہے، کیونکہ کسی عورت کا بانجھ ہونا ایک طبعی نقص ہے جس میں عورت کے اپنے ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا، پھر طلاق دینے کے بعد عورت کی دوسری شادی بہت مشکل ہوجائے گی کیونکہ ہر کوئی اولاد کا متمنی ہوتا ہے۔ اور یہ بھی تو عین ممکن ہے کہ بانجھ ہونے کے باوجود زن وشوہر کے تعلقات نہایت خوشگوار ہوں اور وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونا چاہتے ہوں، تو پھر ایسی صورت میں صرف ایک شکل باقی رہ جاتی ہے وہ یہ کہ مرد دوسری شادی کرلے اور عدل و انصاف کے ساتھ دونوں بیویوں کے حقوق ادا کرے۔ یہ شکل طلاق کی شکل سے یقیناً بہتر ہے۔ یہاں پر کوئی یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ مرد دوسری شادی نہ کرے اور اولاد کے بغیر صبر کرلے۔ بلاشبہ مرد اگر چاہے تو یہ روش اختیار کرسکتا ہے اور بہت سے مرد ایسا کرتے بھی ہیں لیکن کچھ لوگوں کی اولاد کی خواہش ایک اہم ضرورت بن جاتی ہے، ایسے لوگوں کو ہم کیا مشورہ دیں گے؟ ظاہر ہے کہ اس فطری خواہش سے ہم کسی کو روک بھی نہیں سکتے۔

زوجین کے درمیان نباہ نہ ہونا:

بعض عورتیں نہایت ہی تند خو، بدزبان، بدچلن، کج فہم اور سخت مزاج ہوتی ہیں، مرد ان کا کتنا ہی خیال کیوں نہ رکھے اور کتنا ہی ان سے محبت وشفقت، پیار والفت، محبت و مودت کا معاملہ رکھے مزاج میں ہم آہنگی نہیں ہو پاتی، پس ہر وقت مزاج تصادم کی صفت سے متصف رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عورت کی اس کیفیت سے اچھا خاصا بسا بسایا گھر جہنم بن جائے گا، اولاد کی تربیت متاثر ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے میاں بیوی کے تعلقات کی خوشگواری کے لئے قرآن مقدس میں ان دونوں کے احکام ومسائل بیان کئے ہیں، کیونکہ ان دونوں کے تعلقات اگر خوشگوار ہیں تو اولاد کی صحیح تعلیم وتربیت ہوگی اور جب اولاد کی صحیح تعلیم وتربیت ہوگی تو ایک گھر کی اصلاح ہوگی، پھر اس طرح ایک صالح معاشرہ کی تشکیل ہوگی، پھر پورا شہر راہ راست پر آجائے گا، لیکن جب تعلقات بہتر نہ ہوں تو مرد سکون قلب سے محروم ہو جاتا ہے، پھر جنسی لذت کے علاوہ اسے ازدواجی زندگی کا کوئی اور لطف حاصل نہیں ہوتا۔

مشاہدات کی روشنی میں یہ بات نہایت وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ بعض مثالیں ایسی بھی ہیں کہ اس قسم کی عورتیں بسا اوقات وظیفہ زوجیت (مباشرت ومجامعت) کے لئے بھی تیار نہیں ہوتیں، اب سوال یہ ہے کہ مرد اس صورتحال میں کیا کرے؟

مثالی کردار تو یہی ہے کہ مرد نہایت صبر وتحمل سے کام لے اور اپنی عورت کو نہایت نرمی اخلاق اور مختلف پیرائے سے سمجھائے اور اس کی ہر ممکن اصلاح کی کوشش کرے، لیکن یہ اعلیٰ درجہ کا آئیڈیل ہے جس کا حکم سب کو نہیں دیا جا سکتا، نہ عام لوگوں سے اس مثالی آئیڈیل کی توقع کی جا سکتی ہے۔ پھر بعض مرتبہ پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے اور آئیڈیل اور مثالی رویہ پر عمل کرنے کا موقع نہیں رہتا، اس کے بعد خلاصی کی دو ہی صورتیں ہیں، ایک صورت طلاق کی جب کہ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ آدمی مزید ایک شادی رچالے اور دونوں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرتے ہوئے اپنی بقیہ زندگی گذارے، ظاہر ہے کہ ان دونوں صورتوں میں دوسری صورت پہلی صورت سے بہتر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بعض مرتبہ میاں بیوی کے تعلقات اچھے نہیں ہوتے تو مرد کو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے دوسری شادی کرنا ناگزیر ہوجاتا ہے۔

تعدد ازدواج کی اہمیت، افادیت اور تائید ونصرت میں اس قسم کی اور بھی توجیہات اور تائیدات عقل کی روشنی میں بیان کی جاسکتی ہیں بلکہ بیان کی گئی ہیں، لیکن دانا و بینا کے لئے سابقہ معروضات ہی کافی وشافی ہیں، اللہ پاک انہیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔ ورنہ تو تعدد ازدواج کو برا بھلا کہنے والے بھی ان حقائق سے بخوبی واقف ہیں اور وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں اور نہ صرف اعتراف کرتے ہیں بلکہ آئے دن مشاہدہ وتجربہ کرتے ہیں کہ یورپ میں تعدد ازدواج کی اجازت کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے ہی زنا کی وباعام ہوگئی ہے اور فحاشیت، عریانیت، اور شہوانیت پورے معاشرہ پر چھا چکی ہے، لیکن وہ جانتے بوجھتے اس حقیقت سے چشم پوشی کرر ہے ہیں، گویا ان کے نزدیک قانونی طور پر شادی کر کے اپنی زوجیت میں لینا حرام کاری سے زیادہ بڑا گناہ ہے اور گویا صحیح النسب بچے ان کے نزدیک حرامی بچوں سے کمتر ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ ان کی اس تحریک کا انجام کیا ہوگا اور اس کے پھیلنے سے معاشرہ میں کس قدر برائیاں عام ہوجائیں گی۔

ایک نہایت اہم بات جس کا ذکر یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے جس کی طرف علامہ عینی نے اپنی کتاب ''المرأة في التصور الاسلامي'' میں اشارہ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ:

جرمنی میں دوسری جنگ عظیم کے بعد وہاں کی عورتوں نے زنا کو قانون بنانے کے لئے ضد کرنی شروع کردی اور انہوں نے انکار کردیا کہ وہ اپنی ساری زندگی بدکاری کے کسی ایک ہی اڈے پر رہ کر گذار دیں اور نتیجہ کے طور پر ایک ایسے لڑکے کی ماں بن جائیں جس کا معاشرہ میں کوئی مقام نہ ہو اور وہ معاشرہ میں ذلیل ہوکر رہ جائے، اس پر انہوں نے مطالبہ کیا کہ ازروئے قانون شادی کا ایسا طریقہ رائج کیا جائے جس کے تحت ایک عورت ایک مخصوص مدت تک کسی مرد کے ساتھ رہے، پھر وہ اس کا ساتھ چھوڑ دے اور دوسری عورت اس کی جگہ لے لے۔ اس کے لئے انہوں نے ایک تنظیم کی داغ بیل ڈالی تاکہ موثر طریقہ

سے وہ اپنی آواز پہنچا سکیں اور اس فعل خبیث کو قانونی مرتبہ دلا سکیں۔ یہ صورتحال اہل یورپ کے لئے نہایت مضحکہ خیز اور قابل رحم ہے کہ ایک طرف تو وہ ''تعددِ ازدواج'' کے قانون پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور دوسری طرف ایک غیر فطری ذریعہ سے ایک مرد کو کئی کئی عورتوں کے ساتھ رہنے کی، موج مستی اڑانے کی اور جنسی عیاشی کی تکمیل کے لئے چھوٹ دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا گذارشاد ومعروضات میں مصالح اور ضروریات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات آئینہ کی طرح واضح ہو جائے گی کہ یک زوجگی کے مقابلے میں تعددِ ازدواج انسانی معاشرت کا عین تقاضہ اور اس کی ضرورت ہے اور قانون میں اس کو جگہ ملنی چاہئے، ویسے جہاں تک عملاً تعددِ ازدواج کی بات ہے تو خود مسلم معاشرہ میں بھی اس کا تناسب بہت معمولی ہے اور شاید ایک فیصد بھی نہ ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تَمَّتْ بِالْخَیْرِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی نَبِیِّنَا الْمُصْطَفٰی وَرَسُوْلِنَا الْمُجْتَبٰی، وَحَبِیْبِنَا الْمُرْتَضٰی، وَعَلٰی آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ، وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

مصادر ومراجع

(اس کتاب کی ترتیب وتالیف میں درج ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے۔ مولف)

۱	القرآن الکریم	ترجمہ: حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ
۲	بخاری شریف	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن بردزبہ البخاری (م ۲۵۶ یا ۲۲۶)
۳	مسلم شریف	امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ (۲۶۱ھ)
۴	ابوداؤد شریف	امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ (م ۲۷۵ھ)
۵	ترمذی شریف	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (م ۲۷۵ھ)
۶	نسائی شریف	امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائیؒ (م ۳۰۳ھ)
۷	ابن ماجہ شریف	امام ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینیؒ (م ۲۷۳ھ)
۸	مسند احمد	امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ)
۹	سنن دارمی	علامہ ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن تمیمی دارمیؒ (م ۲۵۵ھ)
۱۰	مجمع الزوائد	حافظ نورالدین الہیثمی (م ۸۰۷ھ)
۱۱	مستدرک حاکم	علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمدؒ (م ۴۰۵ھ)
۱۲	المعجم الکبیر	علامہ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانیؒ (م ۳۶۰ھ)
۱۳	فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ (م ۸۵۲ھ)
۱۴	فتح القدیر	علامہ زین الدین عبدالرؤف المناویؒ (۱۰۳۱ھ)
۱۵	فیض الباری	امالی علامہ انور شاہ کشمیریؒ
۱۶	الاصابہ فی احوال الصحابہ	حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ (م ۸۵۲ھ)
۱۷	طبقات ابن سعد	محمد بن سعد کاتب الواقدی (م ۹۰۳ھ)

۱۸	اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ	علامہ ابن اثیر جزریؒ (م ۶۳۰ھ)
۱۹	الاستیعاب	حافظ ابن عبد البر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ)
۲۰	البدایہ والنہایہ	علامہ حافظ ابن کثیر الدمشقی (م ۷۷۴ھ)
۲۱	بیہقی	علامہ ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی (م ۴۵۸ھ)
۲۲	سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ سید سلیمان ندویؒ
۲۳	موسوعۃ حیاۃ الصحابیات	علامہ محمد سعیدؒ
۲۴	المرأۃ بین الفقہ والقانون	الدکتور مصطفیٰ السباعی
۲۵	اسلام اور مستشرقین	ڈاکٹر سید صباح الدین
۲۶	انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا	
۲۷	معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان

(تمت بالخیر)

چالیس بکھرے موتی

حضرت مولانا مفتی نہال اختر قاسمی
فاضل دار العلوم دیوبند انڈیا

ادارۃ المعارف کراچی

ادارۃ المعارف کراچی